بے مثال نبی

محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عثمان نوری طوپباش

دار الأرقم

بسم الله الرحمن الرحيم

استنبول - 2020ء

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : Emsalsiz Örnek Şahsiyet
Hz. Muhammed Mustafa ﷺ

مؤلف : عثمان نوری طوپباش

ترجمہ : محمد مدثر علی

پروف ریڈنگ : امداد الحق بختیار قاسمی، سعدیہ اختر

اشراف وملاحظہ : مفتی محمد انوار خان قاسمی بستوی،
عادل حمید بخاري

اشاعت : ۱۴۴۲ھ ۲۰۲۰ء

پبلشر : مکتبہ دار الأرقام

پرنٹر : İkitelli Organize Sanayi Bölgesi
Mahallesi Atatürk Bulvarı Haseyad
1. Kısım No: 60/3-C Başakşehir -
İstanbul / TURKEY

موبائل : +90 212 671 07 48

ISBN : 978-605-302-225-1
Language : Urdu

بے مثال نبی

محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تالیف

عثمان نوری طوپباش

دار الأرقم

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

اللہ رب العزت اپنے حبیب ﷺ کا تعارف ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ (الانبیاء:۱۰۷)

❀

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا

(الاحزاب:۲۱)

❀

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا

(الاحزاب: ۴۵)

❀

وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا (الاحزاب:۴۶)

❀

وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا (النساء:٦٩)

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (النساء:٥٦)

فہرست

پیش لفظ / ۱۳

حصہ اول

بے مثال ومنفرد شخصیت—ہمارے آقا محمد ﷺ کی شخصیت...... ۲۵

اسوۂ حسنہ/ بہترین مثال اور نمونہ.............................. ۵۴

حصہ دوم

رسول اللہ ﷺ کے اخلاقِ عالیہ ۷۷

رسول اللہ ﷺ کا پر جمال چہرہ اور آپ کی حسین صورت وسیرت ۷۹

رسول اللہ ﷺ کی تواضع ۸۸

رسول اللہ ﷺ کا جود وسخا.............................. ۹۴

رسول اللہ ﷺ کا تقوی.............................. ۹۶

رسول اللہ ﷺ کا زہد.............................. ۱۰۱

رسول اللہ ﷺ کی نرم مزاجی.............................. ۱۰۵

رسول اللہ ﷺ کا ادب اور حیا ۱۰۷

رسول اللہ ﷺ کی شجاعت اور بہادری ۱۱۶

رسول اللہ ﷺ کی بردباری................................ ۱۱۸
رسول اللہ ﷺ کی رحمت وشفقت................................ ۱۲۳
رسول اللہ ﷺ کا عفو ودرگذر................................ ۱۲۷
رسول اللہ ﷺ کا ہمسائیوں کے حقوق کی پاسداری................................ ۱۳۵
رسول اللہ ﷺ کاغریبوں کے ساتھ سلوک................................ ۱۳۸
رسول اللہ ﷺ کا قیدیوں اور خادموں کے ساتھ برتاؤ................................ ۱۴۲
رسول اللہ ﷺ کا خواتین کے ساتھ سلوک................................ ۱۵۱
رسول اللہ ﷺ کا یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک................................ ۱۶۰
رسول اللہ ﷺ کا جانوروں کے ساتھ حسنِ سلوک................................ ۱۶۲
ستاروں سے زیادہ بلند وبالا معیارات................................ ۱۷۵

حصہ سوم

رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں دل کی اصلاح................................ ۱۸۱
محبت وتعلق کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اتباع................................ ۱۸۶
عصرِ سعادت: رسول ﷺ کے اخلاق ومحبت کا آئینہ................................ ۱۹۵
رسول ﷺ سے والہانہ محبت کے چند نغمے................................ ۲۰۸
صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کی رسول اللہ ﷺ سے محبت ۲۱۶
صحابہ کرامؓ کے بعد عشق رسول ﷺ کی تیز لہریں................................ ۲۳۸

رسول ﷺ کی ذات مبارکہ کے لیے درورد وسلام کا نذرانہ...... ۲۵۹

حصہ چہارم

دل ودماغ کے مدرسہ کے لیے ایک مثالی شخصیت کا ہونا ناگزیر ہے ۲۶۹
تعلیماتِ خداوندی ہی انسان کو انسانیت سکھلاتی ہیں ۲۶۹
پیشوا اور نمونہ بنانے کے حوالے سے انسانی رجحان ۲۸۵
انبیاءِ کرام علیھم السلام کے مثالی کردار ۲۸۸
ہم رسول اللہ ﷺ سے کتنی محبت کرتے ہیں! ۲۹۳
دل اور عقل کا استعمال ۲۹۳
نبی ﷺ کی ذات مبارک منفرد مثالی نمونہ ہے ۲۹۴
سب سے بڑا معجزہ: قرآن کریم.............................. ۲۹۵
اندھا سورج کے وجود سے انکار اور اس سے حسد کرتا ہے ۲۹۶
عاشق اپنے معشوق کا فرمانبردار ہوتا ہے......................... ۳۰۴
رسول ﷺ کی اتباع کے لیے قلبی تربیت ومشق کی ضرورت ... ۳۰۵
نبی ﷺ کی قدر ومنزلت کا ادارک اور ہم؟ ۳۰۸
احترام اور محبت کی آزمائش ۳۱۳
آپ ﷺ سے محبت کا پیمانہ ۳۱۵
حضور ﷺ سے محبت کی علامت ۳۱۸

آپ ﷺ کی شایانِ شان توصیف وتعریف انتہائی مشکل.......... ۳۱۹

حرف آخر / ۳۲۱

آپ ﷺ کا امتی ہونا ہمارے لیے باعث شرف عظیم............۳۲۶

پیش لفظ

تمام بزرگی اور تعریفیں ذات باری تعالیٰ کے لیے ہیں، جس نے ہمیں حضرت محمد مصطفی ﷺ کا اُمّتی بناکر عزّت بخشی، محمد ﷺ اللہ تعالی کے محبوب نبی اور تمام انبیاء کے سردار ہیں، ہمارے نبی حضرت محمد مصطفی ﷺ پر لاکھوں درود اور سلام ہو، جن کے نور کا سورج کبھی غروب نہ ہوگا، جن کے بے مثال کردار نے تمام انسانیت کو ہدایت اور سچائی کی لازوال روشنی عطا کی۔ جب انسانیت ظلم کی تیرہ شبی میں ڈوبی ہوئی تھی، تب اللہ رب العزت نے حضرت محمد مصطفی ﷺ کو اس دنیا کے لیے رحمت اور نجات کا باعث بناکر بھیجا۔ اللہ تعالی نے حضرت محمد مصطفی ﷺ کوایک روشن ستارہ بنایا؛ تا کہ آپ ﷺ اپنے نور سے اس دنیا میں چھا جائیں اور ظلمت کے بادل اور نافرمانی اور بربریت کی تاریکی کا خاتمہ کرسکیں۔

اللہ رب العزت نے حضرت محمد مصطفی ﷺ کو ابدی رحمت کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ جاندار ہو یا بے جان، مٹی ہو یا پتھر، دریا

ہو یا سمندر، زمین وآسمان کے لیے، ہرچیز حتی کہ زمان ومکان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ لیکن خاص طورپر بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے رحمت اور نجات کا ایک انمول ذریعہ بنایا۔ گویا کہ آنحضرت ﷺ کو انسانی شکل میں سراپا رحمت بنا کر بھیجا گیا؛ **لهذا**

آپ ﷺ **رحمت ہیں**؛ کیونکہ ساری کائنات اسی کی بڑائی وبزرگی کے لیے تخلیق کی گئ اورنبی پاک ﷺ کی ذات گرامی سے جس کو جتنی محبت ہوگی، حق تعالیٰ کی نظر میں اس کی اتنی ہی قدرو قیمت بلند ہوگی۔

آپﷺ **رحمت ہیں**؛ اس لیے کہ آپ کی نرمی، محبت اور شفقت تمام انسانیت اور تمام مخلوق پر محیط ہے۔

آپﷺ **رحمت ہیں**؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذاتِ اقدس کو دلوں اور عقلوں کے لیے آب حیات کا سرچشمہ اور وجدانی سعادت اور دائمی برکت کا منبع بنایا ہے۔

آپ ﷺ **رحمت ہیں**؛ کیوں کہ اللہ عز وجل نے اس قرآن کے ذریعہ آپﷺ کا اکرام کیا، جو ہدایت کا دائمی رہنما ہے۔

آپ ﷺ رحمت ہیں؛ اس لیے کہ آپ ﷺ خدا کے محبوب ترین نبی اوراس کے نزدیک پوری مخلوق میں سب سے معزز ہیں اورآپ ﷺ ہی وہ رسول ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے سفرِ معراج سے سرفراز کیا۔

آپ رحمت ہیں؛ اگر آپ نہ ہوتے تو تمام عالم بے آب وگیاہ اور وحشت ناک جنگل وبیاباں میں تبدیل ہوجاتے۔

آپ رحمت ہیں؛ اس لیے کہ آپ ہی کے نور سے کائنات کی تخلیق ہوئی۔

آپ ﷺ رحمت ہیں؛ کیوں کہ دنیا کی ہر خوبصورتی آپ کے جمال کا پرتَو ہے اور اللہ تعالی نے آپ کے چہرہ انور کے اعزاز میں حسن وجمال کی تخلیق کی ہے۔

اس کائنات کا جو پھول آپ ﷺ کے نور سے محروم رہتا ہے، وہ کبھی کِھل نہیں سکتا، اگر آپ نہ ہوتے تو کسی شیٔ کا وجود ہی نہ ہوتا۔ آپ ﷺ ہی کی ذات اقدس کی بدولت ہمارا وجود ہے۔ آپ نور کامل کی الہی کلی ہیں، جو کبھی مرجھائی نہیں، بلکہ روز بروز اس کی تازگی اور رونق میں اضافہ ہوتا رہا۔

حضور اکرم ﷺ رحمت ہیں؛ کیونکہ اللہ تعالی نے قرآن پاک میں آپ ﷺ کو بذات خود سلام بھیج کر، آپ ﷺ کی قدر ومنزلت کو ہمیشہ کے لیے بلند فرمادیا ہے۔

نیز آپ ﷺ ہی کی ہدایت ورحمت والی نبوت کے زیر سایہ تمام کائنات نے حقیقی راحت وآرام اور امن وسکون کا لطف لیا۔ جہالت کی دہلیز پر نافرمانی کی آلودگیوں سے انسانیت فنا کے قریب پہنچ گئی تھی، نبی پاک ﷺ نے علم وحقیقت اورمعرفت کے جن دروازوں کو کھولا، ان سے انسانیت نئ زندگی کا سانس لینے لگی اور آسمان کی وسعتوں تک پرواز کرنے لگی۔

انسانی ضمیر پتھروں کی طرح سخت ہوگئے تھے، آپ ﷺ کے مبارک ہاتھوں نے انہیں گیلی مٹی کی طرح نرم کردیا۔ قلوب مکدر وزنگ آلود تھے، صاف وشفاف اور شیشے کی طرح چمکتے اپنے آبِ ہدایت سے انہیں پاک وصاف کیا اور ظلمت وتاریکی کو ختم کرکے ان کو نور سے منور کیا۔

حضرت وحشی مسلمان ہونے سے قبل سخت دل اور بغض وعناد رکھنے والے، انسانوں کے خون کے پیاسے تھے؛ لیکن مشرف باسلام ہونے کے بعد نبی ﷺ کی تربیت کی بدولت صحابی کہلائے اور رقیق

القلب اور نالہ وفریاد کرنے والے صحابی بن گئے، صحابہ میں ان کے جیسی کئی مثالیں ملتی ہیں۔

انسانوں کی روحیں صفات رذیلہ میں منہمک ہوکر فنا کی دہلیز تک پہنچ گئی تھیں، پھر سرچشمۂ ہدایت سے سیراب ہوکر ابدی زندگی کی حقیقت سے آشنا ہوئیں اور وہ ایسے فخر وعزت اور عظمت سے بہرہ مند ہوئے کہ ان کے نام تا ابد نبی اکرم ﷺ کے (صحابی رسول) کے لقب سے متصل ہوگئے۔

یہ تمام چیزیں اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس کی حق تعالیٰ شانہ نے تخلیق معجزۂ کبریٰ کے طور پر فرمائی اور ہم کو آپ ﷺ کے ذریعہ فضیلت سے نوازا۔ اور آپ کی ذات مبارکہ ظاہری اور باطنی تمام گوشوں سے ایک معجزہ ہے، چناں چہ آپ ﷺ کی ذات گرامی کامل ومکمل، کریم ومکرم اور حبیب ومحبوب ہیں۔

خالق سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے آپ ﷺ تمام عالم کے لیے رحمت، تحفۂ اور احسان عظیم ہیں؛ تاریخ انسانیت میں صالحین، اصفیاء، اولیاء، حکماء، اور اشیاء کی حقیقت کا ادراک کرنے والے علماء

آپ ﷺ کے اسی مثالی کردار کا عکس ہیں؛ بلکہ اس ماہتاب کی طرح اس کا حصہ ہیں، جس پر آفتاب کا عکس پڑتا ہے۔

اسی بنیاد پر اللہ عز وجل کا قرب اور اس کی خوشنودی کے حصول کا راستہ نبی ﷺ سے محبت اور آپ ﷺ کی اتباع سے ہوکر گذرتا ہے۔ خود خدائے بزرگ وبرتر نے اس حقیقت کو آیات کریمہ میں یوں واضح کیا ہے۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (آل عمران:٣١)

«اے محبوب! آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہوتو میری فرمانبرداری کرو، اللہ تمھیں محبوب بنالے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔»

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا (النساء:٨٠)

«جس نے رسول کی فرمانبرداری کی بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے روگردانی کی تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بناکر۔»

یہ آیتیں اس حقیقت کو روز روشن کی طرح واضح کرتی ہیں کہ خدا سے محبت کا واحد معیار یہ ہے کہ آپ پروانہ وار رسول اللہ ﷺ کی اتباع کریں اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر ایسے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں، لہذا اللہ کی محبت کا واحد معیار اتباعِ نبی ﷺ ہے۔ اور یہ ایسی حقیقت ہے جس سے کوئی مؤمن غفلت نہیں کرسکتا۔ اسی بنیاد پر یہ ضروری ہے کہ ہماری زندگی کے ہر لمحے اور ہر گوشے میں نبی ﷺ موجود ہوں، اور یہ واجب ہے کہ ہماری شخصیت کی تعمیر میں نبی کریم ﷺ کی ذاتِ واحد ہی معیار وممتاز نمونہ ہو؛ اسی لیے ہمیں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم رسول ﷺ کو قریب سے جانیں اور آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو اتنے قریب سے سمجھیں، حتی کہ گویا آپ ﷺ کی سانسوں کا بھی ہم ادراک کر رہے ہوں، نیز ہمارے دل کی دھڑکنوں کا آپ ﷺ کے قلب اطہر سے منسلک ہونا ضروری ہے اور ہم صحابہؓ کی طرح بن جائیں جنھوں نے آتشِ عشقِ نبی میں اپنے کلیجے چھلنی کرلیے۔

ہم عاجزوں کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کے مناسب معیار تک رسائی نا ممکن ہے؛ لیکن اس کے باوجود ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ ہم آپ ﷺ کے راستے پر چلیں اور آپ

ﷺ کے طریقہ کی پیروی کریں۔ اگر ہم آپ ﷺ کی شخصیت کے چند بے نظیر پہلوؤں کو (جو کہ ابدی زندگی کے حصول کا دروازہ ہیں) ہی نمونہ بنالیں تو یہ ہمارے لیے بڑی سعادت ہوگی۔

انہی مقاصد کے حصول کے لیے میں نے یہ کتاب مرتب کرنے کی کوشش کی ہے، جو میری کم علمی اور بے بسی کا نمونہ ہے، اور یہ کتاب اس امید پر آپ کے سامنے پیش ہے کہ ان شاء اللہ یہ آپ کو نبی کریم ﷺ کی عظیم شخصیت کو قریب سے روشناس کرائے گی۔ ہم نے اس کتاب میں نبی کریم ﷺ کی عظیم شخصیت کے تعلق سے ان خاص معلومات کا خلاصہ پیش کیا ہے، جو ہماری سابقہ کتابوں میں موجود ہیں۔ واضح رہے کہ چاہے ہماری گفتگو کتنی ہی طویل ہوجائے؛ لیکن ہم آپ ﷺ کا حق ادا نہیں کرسکتے اور ہم خود کو اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے بے چین پاتے ہیں کہ اس نے ہمیں اپنے رسول ﷺ جیسی عظیم نعمت سے سرفراز کیا، ہمیں آپ ﷺ کے بارے میں گفتگو کرکے یا آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ کا ذکر کر کے یا آپ ﷺ کے منہج وسنت پر زندگی گذار کر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

در حقیقت اپنی طاقت اور قدرت کے اعتبار سے ہماری سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی میں ایسے پل (برج) کی حیثیت اختیار کریں، جو نبی ﷺ کی ابدی اورعالمی رحمت کو ہمارے اس موجودہ زمانہ تک پہنچانے کا کام کرے، جو مختلف بحرانوں کا شکار ہے۔ اور بہترین اورخوبصورت انداز میں اسے پیش کریں تاکہ پوری انسانیت کمال کی چوٹی پر فائز معجزہ سے آشنا ہوجائے، اور ہمارے لیے سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ ہم نبی ﷺ کی ذات گرامی کو خوبصورت طریقہ پر موجودہ دور کے سامنے پیش کریں۔

اے ہمارے پروردگار! ہمیں رسول اللہ ﷺ کی بے نظیر معجزانہ شخصیت سے حصہ عطا فرما اور ہمارے دلوں کو آپ کے عشق ومحبت سے آباد فرما، اور ہمیں اس تقویٰ کے امتحان میں کامیابی وتوفیق عطاکر، جو آپ کی ذات کو ماننے اور اس کے ساتھ مربوط رہنے سے متعلق ہے اور ہمیں اپنی رضا ومحبت کا اہل بنا۔ آمین۔[1]

1 ۔ ذات باری سے عاجزانہ دعا ہے کہ اس کتاب کی تیاری میں پیش کی گئی ہمارے عزیز طلبا کی تمام کوششوں اور ہر طرح کی اعانت کو ان کے لیے صدقۂ جاریہ بنادے۔

حصہ اول

- ❖ بے مثال ومنفرد شخصیت
- ❖ اسوہ حسنہ/ بہترین مثال اور نمونہ

بے مثال ومنفرد شخصیت
ہمارے آقا محمد ﷺ کی شخصیت

اللہ عز وجل نے انسانیت کو رسول اللہ ﷺ کی شکل میں ایک گرانقدر اوربہترین تحفہ سے نوازا ہے، جس سے اللہ عز وجل کے نزدیک آپ ﷺ کی عالی قدر ومنزلت واضح ہوتی ہے۔ اس نے اپنے حبیب ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور اپنے حبیب ﷺ سے بیعت کو اپنی بیعت شمار کیا ہے اور اللہ عز وجل نے اپنی محبت اور اس تک پہنچنے کے لیے نبی ﷺ کی اطاعت کو شرط قرار دیا ہے۔ درج ذیل آیاتِ کریمہ اسی معنی کی طرف اشارہ کرتی ہیں:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ (الانبیاء:۱۰۷)

«اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بناکر بھیجا۔»

اور نبی کریم ﷺ اپنے اصحاب سے مخاطب ہوتے ہوئے اسی بات کا اعلان فرماتے ہیں:

«يا أيها الناس إنما أنا رحمةٌ مهداةٌ» (الدارمی۔ المقدمہ،۳)

«اے لوگو! میں ایسی رحمت ہوں، جسے تمہیں تحفے میں دیا گیا ہے۔»

مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (النساء:۸۰)

"جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے گویا اللہ کی اطاعت کی۔"

اِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ (الفتح، ۱۰)

«اے نبی جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔»

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (آل عمران:۳۱)

«اے نبی! لوگوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے در گزر فرمائے گا۔ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔"

اللہ عز وجلّ نے آیتِ کریمہ میں قطعی طور پر اس بات سے منع فرمادیا ہے کہ اس کے اور اس کے رسول ﷺ پر کسی اور کو مقدم رکھا جائے:

يَا اَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (الحجرات: ۱)

اے ایمان والو! کسی بات کے جواب میں اللہ اور اس کے رسول سے پہلے نہ بول اٹھا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ سنتا ہے اور جانتا ہے۔››

یہ آیت کریمہ ہمیں تعلیم دیتی ہے اور بغیر کسی افراط وتفریط کے قرآن وسنت کے دائرے میں زندگی گزارنے کی حدیں متعین کرتی ہے، لہذا آیت کی اس تعلیم کے مطابق ضروری ہے کہ قرآن وسنت کی رہنمائی اور اللہ ورسول ﷺ کے احکامات کے دائرے سے خروج نہ کیا جائے۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کی قرآنی وحی کے مطابق تربیت کی تھی؛ اسی لیے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے کسی چیز کے بارے میں دریافت کیا جاتا ،تو وہ اس کا جواب معلوم ہونے کے باوجود فرماتے: **‹‹اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں››**، اسی لیے تو وہ معاملات کے آداب، لطافت، نرم مزاجی اور حسنِ ادب کے بلند معیار پر فائز ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو تاکید کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو خطاب کرنے اور آپ ﷺ سے برتاؤ کرنے میں محتاط رہیں، حد

درجہ ادب ونرمی ملحوظ رکھیں، اور نبی ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے یا پکارتے ہوئے، آواز نیچی رکھنے کا حکم بھی دیا ہے۔ اور اگر وہ اس دائرہ سے ذرا سا بھی باہر نکلے تو ان کے اعمال اکارت جائیں گے، اور اس بات پر بہت سی آیات کریمہ دلالت کرتی ہیں جن میں درجہ ذیل آیات پیش ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ. (الحجرات: ٢)

«اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز سے اونچی نہ کرو، اور نہ ان سے اونچی آواز سے بات کرو، جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں(ایسا نہ ہو کہ) تمھارے اعمال اکارت جائیں اور تمھیں اس کی خبر بھی نہ ہو۔»

اللہ عزّو جلّ نے نبی کریم ﷺ کی قدر و منزلت کی تعظیم کو بندوں کے لیے بطور امتحان پیش کیا؛ تاکہ وہ اس کے ذریعہ دلوں کا تقویٰ و پرہیزگاری حاصل کرسکیں۔ اور اللہ عزّ وجلّ نے عبدیت کے مطلوب ومقصود درجہ کے حصول کے لیے اپنے حبیب ﷺ کی تعظیم وتوقیر کو شرط قرار دیا ہے۔ اور نبی ﷺ کو مخاطب کرنے

میں آداب ملحوظ نہ رکھنے کو جہالت کی نشانیوں میں شمار کیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ. إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ.

(الحجرات: ۳، ۴)

بے شک جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے حضور میں اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پرہیزگاری کے لیے جانچ لیا ہے۔ ان کے لیے مغفرت ہے اور بڑا ثواب ہے۔ جو لوگ آپ کو حجروں کی پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر (بالکل) بے عقل ہیں۔"

اس ضمن میں اس آیتِ کریمہ سے بھی ہم استدلال کرسکتے ہیں:

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا

(النور:۶۳)

حضرت ابنِ عباسؓ اس آیت کی تفسیر فرماتے ہیں کہ: وہ لوگ کہا کرتے تھے: "اے محمد، اے ابو القاسم"۔ تو اللہ عزّ و جلّ نے نبی

ﷺ کی تعظیم کو ملحوظ رکھتے ہوئے، انہیں اس طرزِ تخاطب سے اور ان الفاظ کے استعمال سے منع فرمایا؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کو ہدایت دیتے ہیں: اے اللہ کے نبی، "اے اللہ کے رسول" کہا کرو۔

خود اللہ عز وجل نے اپنے نبی محمد ﷺ کو آپ کے نام یا کنیت سے مخاطب نہیں کیا، جیسا کہ دوسرے انبیاء کو ان کے ناموں سے مخاطب فرمایا ہے؛ بلکہ آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی صفات "اے اللہ کے نبی، اے اللہ کے رسول" سے مخاطب فرمایا ہے، یہ آپ ﷺ کی قدر و منزلت کی تعظیم کے طور پر ہے۔ اور اس انداز کو اپناتے ہوئے اللہ عزّ وجلّ نے ہمارے حبیب نبی ﷺ کے تئیں ادب و لحاظ اختیار کرنے کے معاملہ میں اپنے بندوں کو ایک عظیم درس کی تلقین کی ہے۔

جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے مقام اور آپ ﷺ کی بلند قدر وقیمت سے ناواقف ہیں، ان کو اس اس طرح تنبیہ فرمائی کہ اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کی اس حیات مبارکہ کی قسم کھائی ہے، جو قرآن کریم کی زندہ تفسیر تھی؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ (الحجر: ٧٢)

«اے نبی آپ کی جان کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش ہورہے تھے۔»

قرآن کریم میں ہمارے نبی ﷺ کے لیے جیسی قسم کھائی گئ ہے، کسی اور کے لیے ایسی قسم نہیں ملتی۔

ہمارے رب کے نزدیک آپ ﷺ کی عظمت اور بلند رتبہ پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ خود خدائے بزرگ وبرتر کے ساتھ اس کے ملائکہ بھی آپ ﷺ پر درود بھجتے ہیں اور مؤمنین کو آپ ﷺ پر کثرت سے درود بھیجنے کا حکم دیا اور قلوب وزبان سے آپ ﷺ کے ذکر سے غافل نہ ہونے کی تاکید، اس آیتِ مبارکہ میں کی ہے:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُواتَسْلِيمًا (الاحزاب: ٥٦)

«بے شک اللہ تعالی اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم (بھی) ان پر درود بھیجو اور خوب سلام (بھی) بھیجتے رہا کرو۔»

اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی ﷺ کے ساتھ اعزاز واحسان کا معاملہ ان عظیم تحائف پر ہی بند نہیں ہوگیا؛ بلکہ تحائف وانعامات کا سلسلہ تا

قایامت جاری رہے گا۔ جیسا کہ یہ آیتِ کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (الضحیٰ: ۵)

«اور عنقریب آپ کو آپ کا رب اتنا عطا کرے گا کہ آپ راضی ہوجائیں گے۔»

مزید برآں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام رسولوں میں سب سے اشرف بنایا اور تمام انبیاء و رسل میں آپ کو بلند درجات عطا کرتے ہوئے اور ان کے درمیان خاص مقام کا تعین کرتے ہوئے فضیلت سے نوازا۔ اور اس بات پر اللہ تعالی کا مندرجہ ذیل قول دلالت کرتا ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُم مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ (البقرۃ: ۲۵۳)

«یہ پیغمبر جو وقتاً فوقتاً بھیجتے رہے ہیں ان میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، بعض ایسے ہیں جن سے اللہ نے گفتگو کی اور بعض کے دوسرے امور میں رتبے بلند کئے۔»

«بعضھم» (یعنی ان میں سے ایک) عربی زبان میں لفظ «بعض» «احد» یعنی ایک کا معنی بھی دیتا ہے۔ اور اس آیت میں اس کلمہ سے ہمارے نبی ﷺ مراد ہیں۔

حضرت عبد اللہ ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ: چند صحابہ کرام نبی ﷺ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں نبی ﷺ تشریف لے آئے، جب آپ ﷺ ان کے قریب پہنچے تو انہیں کچھ گفتگو کرتے ہوئے سنا۔ ان میں سے بعض نے کہا: تعجب کی بات کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے حضرت ابراہیمؑ کو اپنا خلیل بنایا، دوسرے نے کہا: یہ، حضرت موسیٰؑ کے کلیم اللہ ہونے سے زیادہ تعجب خیز تو نہیں ہے، ایک نے کہا: حضرت عیسیٰؑ اللہ تعالیٰ کا کلمہ اور روح ہیں، کسی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو صفی بنایا۔ حضور ﷺ ان کے پاس تشریف لائے، سلام کیا اور فرمایا:

میں نے تمہاری گفتگو سنی اور اس بات پر تمہارے اظہارِ تعجب کو ملاحظہ کیا کہ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ ہیں، تو سنو! بے شک وہ ایسے ہی ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ ہیں، ہاں! بے شک وہ ایسے ہی ہیں، حضرت عیسیٰؑ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں، واقعی وہ ایسے ہی ہیں۔ حضرت آدمؑ صفی اللہ ہیں، وہ بھی یقیناً ویسے ہی ہیں۔

لیکن سن لو! میں اللہ کا حبیب ہوں اور مجھے اس بات پر کوئی فخر نہیں ہے، روز قیامت میرے ہاتھ میں تعریف کا جھنڈا (لواء الحمد) ہوگا اور اس جھنڈے کے نیچے سارے انسان حتی کہ آدم علیہ السلام بھی ہوں گے، اس پر بھی مجھے فخر نہیں۔ قیامت کے دن سب سے پہلا شفاعت کرنے والا میں ہی ہوں گا اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول ہوگی اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں ہے اور سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹانے والا بھی میں ہی ہوں گا، اللہ تعالیٰ اسے میرے لیے کھولے گا اور مجھے اس میں داخل کرے گا اور میرے ساتھ غریب و فقیر مؤمنین ہوں گے اور مجھے اس بات پر بھی کوئی فخر نہیں ہے، میں اولین وآخرین میں سب سے زیادہ عزت والا اور شرف والا ہوں اور مجھے اس بات پر بھی کوئی فخر نہیں ہے۔

(الترمذي، المناقب، ٣٦١٦/ ١ ؛ الدارمی، المقدمہ، ٨)

نبی ﷺ نے فرمایا:

«قیامت کے دن میں تمام بنی آدم کا سردار ہوں گا، اور یہ بات میں فخر کے طور پر نہیں کہتا، حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور یہ بات میں فخر کے طور پر نہیں کہتا، اس دن کوئی بھی نبی خواہ حضرت آدمؑ ہوں یا کوئی اور، ایسا نہیں ہوگا جو میرے

جھنڈے کے نیچے نہ آئے اور قیامت کے دن سب سے پہلے میں اپنی قبر سے باہر نکلوں گا اور یہ بات میں فخر کے طور پر نہیں کہتا۔» (الترمذی، تفسیر القرآن، ۳۱۴۸/۱۸)

نبی ﷺ کی ان ہی تمام صفات وخصوصیاتِ عالیہ کی بدولت اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں سے یہ چاہا ہے کہ وہ فنائیت کے ساتھ نبی ﷺ کی پیروی کریں، اور اس طور سے زندگی گذاریں؛ گویا ان کے اعمال کا مشاہدہ نبی ﷺ کررہے ہیں۔ اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو حکم دیا کہ وہ نماز کے قعدہ میں نبی ﷺ پر اس طرح کہتے ہوئے سلام بھیجیں؛ گویا آپ ﷺ ان کے سامنے کھڑے ہوں: «**السلام علیک أیھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ**»، حالانکہ نماز میں کسی آدمی کو سلام کرنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے۔

امام ابو حامد غزالیؒ اس نکتہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

«جہاں تک تشہد کا معاملہ ہے، تو اس میں پورے ادب واحترام کے ساتھ بیٹھو اور اس بات کی صراحت ہے کہ التحیات الصلوات والطیبات کے معنی یہ ہیں کہ تمام پاک وصاف نیز بادشاہت اللہ کے لیے ہے، پھر اپنے دل میں نبی ﷺ اور آپ ﷺ کی معزز

شخصیت کا استحضار کرتے ہوئے یہ جملہ پڑھیں: سلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اسی کے ساتھ آپ کی یہ امید بھی صادق ہونی چاہیے کہ آپ کا سلام نبی ﷺ کو پہنچ رہا ہے اور رسول اللہ ﷺ آپ کے سلام کا بہترین جواب مرحمت فرمارہے ہیں۔» (ابوحامد غزالی، احیاء علوم الدین ، ۱/۲۲۴)

شیخ خالد بغدادی (قدس سرہ) اپنی کتاب «**المکتوبات**» عن العلامہ الشیخ الشہاب ابن الحجر المکی فی شرح العباب» کے چوتھے رسالہ میں کلمات تشہد کے معانی نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

«آپ ﷺ کو اس طرح خطاب کیا جانا، گویا اس بات کا اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی امت کے نمازیوں پر آپ کو ظاہر کرتا ہے، یہاں تک کہ گویا آپ ان کے افضل اعمال کا مشاہدہ کررہے ہیں اورآپ ﷺ کے موجود ہونے کی یاد دہانی ان کے خشوع وخضوع میں اضافہ کا سبب ہوتی ہے۔»2

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے اور تمام مخلوقات میں آپ

2 مکتوبات مولانا خالد، ص ۔۱۱۸ اسی مؤلف کی لکھی ہوئی، رسالہ الرابطہ (مولانا صفی الدین کی کتاب الرشحات کے حاشیہ میں، ص ۲۲۵۔۲۲۶)

ﷺ کو شرف و بلندی عطا فرمائی آپ ﷺ کو دنیا اور آخرت میں فخر کا باعث بنایا، اس دنیا میں انسانیت کے ہادی، رہنما، نجات دہندہ اور آخرت میں ان کی شفاعت کرنے والا بناکر بھیجا۔ اور ابو البشر حضرت آدمؑ جب جنت سے باہر کردئے گئے تو جب آپؑ نے اپنے رب سے توبہ کی اور اس سے مغفرت طلب کی، تو اللہ نے انہیں ہمارے نبی محمد ﷺ کے توسل سے معافی کا پروانہ عطا کیا، جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام انسانیت کی ہدایت کا وسیلہ بناکر بھیجا تھا۔ اور اس بات کی گواہی احادیث شریفہ میں موجود ہے:

«جب حضرت آدمؑ سے خطا ہوگئی، تو آپؑ نے اللہ سے یوں التجا کی: پروردگار! میں تجھ سے محمد ﷺ کے واسطے سے معافی مانگتا ہوں۔» اس پر خدا بزرگ وبرتر نے حضرت آدم سے پوچھا: «تم محمد ﷺ کو کیسے جانتے ہو، جبکہ میں نے ابھی تک ان کی تخلیق نہیں کی؟ آدمؑ نے عرض کیا: «اے اللہ جب تو نے مجھے بنایا اور میرے اندر اپنی روح پھونکی اس وقت مجھے عرش پر یہ الفاظ لکھے دکھائی دئے» لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ» تو میں سمجھ گیا کہ

تو نے مخلوقات میں سے سب سے عزیز ترین ہستی کا نام ہی اپنے نام کے ساتھ تحریر کیا ہوگا۔»

اس پر اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

«اے آدم! تم نے سچ کہا، یقیناً وہ محمد ﷺ ہی ہیں، جو مجھے تمام مخلوق میں محبوب ترین ہیں پس تم ان کا واسطہ دے کر معافی مانگو، میں معاف کردوں گا اور اگر میں محمد ﷺ کی تخلیق کا ارادہ نہ کرتا تو تمھیں بھی پیدا نہ کرتا۔»[3]

اس طرح حضرت آدمؑ نے دعا میں رسول کریم ﷺ کے نام کا واسطہ دیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف فرمادیا۔ حضور ﷺ کے نام کی برکت کا سلسلہ صرف یہیں نہیں رکا؛ بلکہ ہمارے رسول ﷺ جب نطفہ کی شکل میں ابراہیم علیہ السلام کی پشت میں تھے، تو اسی نطفہ کی برکت سے ان پر نمرود کی دہکائی ہوئی آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی بن گئی اور یہی انمول موتی جب اسماعیل علیہ السلام کی پشت میں منتقل ہوا، تو آپ ﷺ کے نام کی برکت سے ہی ان کے لیے جنت سے مینڈھا بھیجا گیا۔

3 الحاکم، المستدرک علی الصحیحین، بیروت، ۱۹۹۰، ج، ۲، ۴۲۲۸/۶۷۲

اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام نے رسول کریم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کی بیش بہا عنایات حاصل کیں - حتیٰ کہ حضرت موسیٰؑ جیسے پیغمبر بھی یہ شدید خواہش رکھتے تھے کہ آپؑ نبی آخر الزمان ﷺ کے ایک عام امتی کی حیثیت سے اللہ کی برکت وفضل کے حقدار بنیں، جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے پیروکاروں کے لیے مخصوص کی ہے- جیسا کہ ایک حدیث میں قتادہ بن نعمانؓ سے روایت ہے:

«ایک مرتبہ حضرت موسیٰؑ نے دعا کی: «اے میرے اللہ! ان صحیفوں میں جو تو نے مجھے عطا کئے ہیں، میں نے ایک نیک اور صالح قوم کے آنے کا ذکر پڑھا ہے، جو نیکی کا حکم دیتی ہے- اے اللہ! اسے میری امت بنادے-»»

اللہ رب العزت نے فرمایا: وہ احمد ﷺ کی امت ہے-

تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

«یا اللہ! میں نے صحیفوں میں ایک قوم کا ذکر پڑھا ہے، جو زمین میں سب سے آخر میں آئے گی؛ لیکن سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگی اسے میری قوم بنادے»»-

حضرت موسیٰؑ کو جواب دیا گیا: وہ احمد ﷺ کی امت ہے-

پھر عرض کیا: یا اللہ! صحیفوں میں اس قوم کا ذکر ہے، جو اپنی الہامی کتابوں کو اپنی یاد داشت اور حافظہ سے پڑھے گی۔ جبکہ اس سے پہلے کی امتیں اپنے صحیفوں کو اپنے سامنے رکھ کر اور دیکھ کر ہی پڑھ سکتی ہیں اور وہ قومیں ان میں سے ایک بھی لفظ یاد نہ کرسکیں اور وہ تمام کتابیں ضائع ہو گئیں۔ یا اللہ! بے شک آپ نے اس امت کو حافظے کی بہترین صلاحیت دی ہے، جو اس سے پہلے کسی قوم کو نہیں عطا کی، لہذا اسے میری امت بنادے۔»

اللہ رب العزت کی طرف سے ایک مرتبہ پھر واضح کردیا گیا کہ وہ احمد ﷺ کی امت ہے۔

حضرت موسیٰؑ نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے عرض کیا:

«اے میرے اللہ! انہی صحیفوں میں ذکر ہے کہ اس امت پر جو نازل ہوا اور جوکچھ اس سے پہلے نازل ہوچکا ہے دونوں پر ایمان رکھتے ہوں گے اور یہ وہی لوگ ہوں گے جو کہ تمام شیاطین اور ایک آنکھ والے دجال کے خلاف صف آراء ہوں گے۔ انہیں میری قوم بنادے۔»

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا: لیکن وہ امت احمد ﷺ کی ہے۔

یا اللہ! میں نے صحیفوں میں ایسی امت کا ذکر پڑھا ہے، جن کے صدقے کا مال خود انسان استعمال کریں گے، پھر بھی ان کو ثواب ملے گا، جبکہ ان سے پہلے کی امتیں جب صدقہ کرتی تھیں اور ان کی وہ خیرات قبول ہوتی تھی تو اللہ کی طرف سے ایک آگ آکر صدقہ کے مال کو جلا دیتی تھی اور اگر صدقہ قبول نہیں ہوتا تھا تو پھر وہ وہیں چھوڑ دیا جاتا تھا؛ حتی کہ وہ چرند وپرند کی غذا بنتا تھا اور یہ ایسی امت ہوگی کہ اللہ ان کے مالداروں سے صدقہ لے کر، ان کے ہی غریبوں میں تقسیم کرادے گا، توموسی علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ اسے میری امت بنادے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا: وہ احمد ﷺ کی امت ہے۔

حضرت موسیٰؑ نے پھر عرض کیا:

«یا اللہ! صحیفوں میں ایسی قوم کا ذکر ہے، جو صرف نیکی کے ارادہ پر ثواب پائے گی، اگرچہ وہ نیک کام اس نے کیا ہی نہ ہو اور اگروہ کرلیں تو دس سے سات سو گنا اجر پائے گی۔ میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ اسے میری امت بنادے۔»

«وہ احمد ﷺ کی امت ہے» معبود مطلق نے اعلان فرمایا۔

موسی علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

«اے اللہ صحیفوں میں ایسی قوم کا ذکر ہے، جن کی شفاعت کل قیامت کے دن قبول کی جائے گی اور وہ خود بھی شفاعت یاب ہوں گے، میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ اسے میری امت بنادے۔»

«وہ احمد ﷺ کی امت ہے» معبود مطلق نے اعلان فرمایا۔

حضرت قتادہؒ کہتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ اس کے بعد اللہ کے نبی حضرت موسیٰؑ نے اپنے صحیفے ایک طرف رکھے اور عرض کیا: پھر میرے اللہ مجھے احمد ﷺ کا امتی بنادے۔»4

تو یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو محمد مصطفیٰ ﷺ کی آمد کی بشارت دے دی گئی تھی، جو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے۔

بالآخر ۱۲ ربیع الاول، ۵۷۱ء پیر کی صبح صادق کی مبارک ساعتوں میں اس نورِ منتظر کی عالم دنیا میں آمد ہوئی اور اس وقت نے ہر وقت پر اور اس مقام نے ہر مقام پر شرف وفضیلت حاصل کی۔

نبی ﷺ کے ظہور مبارک سے یہ عالم اللہ کی رحمتوں سے مالا مال ہوگیا۔ زمین وآسمان کے رنگ تبدیل ہوگئے، احساسات

4 ابنِ کثیر، تفسیر القرآن العظیم، بیروت، ۱۹۸۸م، ج، ۲، الاعراف، ۱۵۴۔

میں گہرائی وگیرائی اتر آئی، الفاظ وکلمات کے ذوق اور انداز ہی بدل گئے۔ ہر شئ کو عظمت کے نئے عنوان اور خوبصورت ومختلف پیرائے مل گئے۔ یہ آمدِ محمد ﷺ کا اعجاز تھا کہ مدائن میں کِسریٰ کے محلات کے ستون گر گئے، آتشکدۂ ایران ٹھنڈا پڑ گیا، بحیرۂ ساوہ خشک ہوگئی۔ قلوب برکت اور پاکیزگی سے معطر ہوگئے اور یہ برکت کائنات کے ہر ذرے، ہر زمان ومکان پر محیط ہوگئی۔

اگر نبی کریم ﷺ تشریف نہ لاتے، جن کی ذات اقدس فضائل کا منبع ہے، تو دنیا قیامت تک تہی دامن رہتی اور انسانیت ظلم وتشدد کی چکی میں پس رہی ہوتی۔ نحیف وضعیف کی کوئی شنوائی نہ ہوتی اور وہ طاقتور کے رحم وکرم پر ہوتے۔ اور شر خیر پر حاوی ہوتا۔ ظلم وبربریت کا دور دورہ ہوتا اور دنیا میں ظالم وغاصب لوگوں کی حکومت ہوتی۔

ان احساسات کو ایک شاعر نے حسین پیرائے میں بیان کیا ہے۔

یا رسول اللہ اگر آپ دنیا میں تشریف نہ لاتے
تو گلاب کی پنکھڑیاں بھی نہ کھلتیں، نہ ہی بلبل کا نغمہ ہوتا
اور آدمؑ کے لیے چیزوں کے نام مجہول ہی رہتے۔

کسی بھی وجود کے کوئی معنی نہ ہوتے اور تمام عالم حزن و یاس کی تصویر ہوتا۔

نبی کریم ﷺ کی آمد نے، جو بت گرادئے، اور زمین پر عدل وانصاف قائم کیا اور سینوں سے ظلمت و تاریکی کو دور کیا، اس بعثت کے ذریعہ جو فضل واحسان ہم پر کیا گیا، اس کی ضرورت کو محسوس کرنے کے بارے میں مولانا جلال الدین رومیؒ ذکر کرتے ہیں:

«اے آج کے مسلمان، اگر نبی کریم ﷺ کی بے پناہ کوشش اور آپ ﷺ کی شجاعت اور تمام بتوں کے خاتمے کے لیے آپ ﷺ کی جد وجہد نہ ہوتی تو تم بھی اپنے آباء اجداد کی طرح بت پرست ہوتے۔»

جہالت میں اٹے، تہذیب وتمدن سے دور معاشرے میں ظاہر ہونے والے اس امی انسان نے اپنے علم، حکمت اور دانائی سے زمانے کو عاجز کردیا، نیز آپ ﷺ ایک ایسے معجزہ کے ساتھ تشریف لائے، جس کی نظیر نہ آج تک کوئی لا سکا ہے اور نہ قیامت تک پیش کر سکتا ہے۔ ہاں! وہ معجزہ قرآنِ کریم ہی ہے۔ قرآن کریم گزشتہ اقوام کے واقعات اور مستقبل میں پیش آنے والے سائنسی وفنی نوعیت کے مسائل کے بارے میں کلام کرتا ہے۔ چودہ سو سال

گذر جانے کے باوجود کسی نے بھی اس کی تکذیب کرنے کی ہمت نہیں کی۔ جب کہ آج دنیا کے بہترین انسائیکلوپیڈیا کو کسی نہ کسی تنگی کا سامنا ہوتا ہے اور ہر سال ان کو بہتر بنا نے کے لیے نئ اشاعت کے ذریعے ان میں ترامیم اور جلدوں کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

آپ ﷺ نے، جو یتیم اور اُمی تھے، کسی انسان سے تعلیم حاصل نہیں کی؛ لیکن اس کے باوجود تمام انسانیت کے نجاتِ دہندہ بن کر، عالم الغیب ذاتِ الٰہی کے ترجمان بن کر اور حق تعالٰی کے مدرسہ کے معلمِ اکبر بن کر تشریف لائے۔

دیگر انبیاء کو بھی کئ اعتبار سے امتیازی حیثیت حاصل ہے، جیسا کہ حضرت موسیٰؑ خصوصی احکامات کے ساتھ بھیجے گئے، حضرت داؤدؑ کو اللہ تعالٰی سے دعا اور مناجات کی خصوصیت سے سرفراز فرمایا گیا، حضرت عیسیٰؑ کو انسانوں کو مکارمِ اخلاق کی اور زہد کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا گیا۔ مگر آنحضور محمد ﷺ ان تمام خصوصیات کے ساتھ تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے شریعت و احکام کی تعلیم دی، لوگوں کو تزکیۂ نفس سکھایا، انہیں قلبِ خالص کے ساتھ اللہ سے دعا مانگنے کا طریقہ بتایا اور انہیں مکارمِ اخلاق کی تعلیم دی۔ آپ ﷺ نے جو تعلیمات سکھائیں، انہیں خود اپنے کردار اور گفتار کے

ذریعہ عملی جامہ بھی پہنایا۔ اور خود اس کا بہترین نمونہ بنے، اور لوگوں کو فانی دنیا کی خوبصورتی سے دھوکہ نہ کھانے کی تلقین کی۔
آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس تمام انبیاء کی خصوصی صفات سے متصف تھی، شرافت نسب، فطری ادب نیز آپ کی ذات بلند نسبت، ادب اور جمال وکمال کی سعادت کو جامع تھی۔

نبی کریم ﷺ نے چالیس سال ایک جاہلی معاشرہ میں اپنی زندگی گذاری؛ اس عرصہ کے بعد بھی اس معاشرے کے افراد کے لیے کملات وفضائل کی وہ باتیں مجہول کی مجہول ہی رہیں، جو نبی ﷺ نے ان کے سامنے پیش کی تھیں۔ آپ ﷺ اس معاشرے میں کسی ملکی سطح کی شخصیت، خطیب وواعظ کی حیثیت سے نہیں جانے جاتے تھے، بڑا سپہ سالار کہنا تو درکنار آپ ﷺ ایک عام سپاہی کی حیثیت سے بھی نہیں جانے جاتے تھے۔

لیکن اس سب کے باوجود آپ ﷺ کی زندگی کا چالیسواں سال پوری انسانیت کے لیے بغیر کسی شک وشبہ کے کمالِ بلندی کا نقطہ آغاز ہے۔

اس عمر تک پہنچنے سے پہلے آپ ﷺ نے کبھی انبیاء اور ان کی ملتوں کی تاریخ، یومِ آخرت اور جنت وجہنم کی گفتگو کسی سے نہیں

سنی تھی۔ ہاں اپنے آپ میں ایک عالی مرتبت زندگی گذاری، جو صرف بہترین اخلاق سے مزین تھی۔ لیکن الٰہی مشن کو لے کر غارِ حراء سے لوٹنے کے بعد آپ کی زندگی مکمل طور پر تبدیل ہوگئی۔

جب آپ ﷺ نے دعوت وتبلیغ شروع کی، تو تمام جزیرۂ عرب خوف ودہشت کا شکار ہوگیا، نبی کریم ﷺ کی فصاحت و بلاغت اور آپ کے معجزانہ کلام نے انہیں مسحور کردیا اور ان کے شعر و ادب اور بلاغت کے مقابلے اور مسابقے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ اور پھر کسی شاعر کی ہمت نہیں ہوئی کہ مقابلہ میں کامیاب ہونے والے اپنے بہترین اشعار بھی کعبہ پر آویزاں کرسکے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مشہور عرب شاعر امرؤ القیس کی بہن نے جب قرآن کریم کی یہ آیت سنی:

وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ (هود:۴۴)

حکم ہوا «اے زمین اپنا سارا پانی نگل جا اوراے آسمان رک جا»۔ چنانچہ پانی زمین پر بیٹھ گیا، فیصلہ چکادیا گیا، کشتی جودی پر ٹک گئی اور کہہ دیا گیا کہ دُور ہوئی ظالموں کی قوم!»

تو انہوں نے کہا:

«اب کوئی بھی شاعر کچھ کہنے کے قابل نہیں رہا، اور میرے بھائی کے قصیدہ کو بھی کعبہ کی دیواروں پر لٹکانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے؛ کیونکہ کسی بھی شاعر کے کلام میں اب ایسی معنویت نہیں رہی، جو ہمارے لیے باعث افتخار ہو۔»

یہ کہہ کر انہوں نے اپنے بھائی کی لکھی ہوئی نظم «معلقہ» جو کعبہ کی دیواروں پر لٹکائے جانے والے قصائد میں سب سے پہلے درجے پر ہوتی تھی، اسے اتار دیا اور ایک کے بعد ایک ساتوں معلقات «المعلقات السبعۃ» کو بھی اتار دیا۔[5]

آپ ﷺ نے تمام انسانیت کو زمین پر اللہ کا نائب ہونے کے حقیقی معنوں سے روشناس کروایا اور ہر شعبہ جیسے معاشرتی، ثقافتی اور اقتصادی زندگی، شہری اور ملکی معاملات وغیرہ میں کامل و مکمل اصول وضع کئے۔ یہ زندگی کے ایسے میدان ہیں، جن کے اندر حقیقی حکمت موجود ہے، جو ایک سائنسدان یا عالم ایک طویل تحقیق اور عمر گذارنے اور انسانوں اور اشیاء پر اپنے طویل تجربات کے بعد

5 احمد جودت پاشا، قصص الانبیاء، و تواریخ الخلفاء، استنبول ۱۹۷۶م، ج، ا، ص ۸۳۔

ہی سیکھتا ہے۔ اور یہ بات ثابت ہے کہ انسانیت نے جب جب بھی نظریاتی، علم اور عملی تجربہ کی طرف قدم بڑھایا تو اسے **«حقیقتِ محمدی»** کا ادراک زیادہ سے زیادہ ہوا۔

ہمارے عظیم الشان رسول ﷺ جنہوں نے بعثت سے پہلے سوائے ایک جنگ کے کسی میں باضابطہ شرکت نہ کی وہ بھی محض مشاہد اور ناظر کی حیثیت سے آپ نے اپنے ہاتھوں میں تلوار بھی نہ اٹھائی، کسی بھی فوجی تعلیم و تربیت کے بغیر بے مثال اور تجربہ کار سپہ سالار اور نڈر فوجی بنے۔ ایک ایسے پل کی مانند تھے جو توحید اور معاشرتی امن کے نفاذ کے لیے شدید جنگ کرنے سے بھی نہ چوکتے تھے حالانکہ آپ کی ذاتِ مبارک پوری انسانیت کے لیے شفقت ورحمت کا پرتو تھی۔

نبی کریم ﷺ نے بنی نوع انساں تک دین حنیف پہنچانے کے لیے فرداً فرداً دروازے کھٹکھٹائے؛ لیکن افسوس کہ کچھ لوگوں نے ہدایت سے انکار کیا اور آپ ﷺ کے لیے اپنے دروازے بند کردئے، وہ سورج کی روشنی کے خود تک پہنچ جانے سے خوفزدہ تھے اور وہ تا ابد انہی تاریکیوں میں بھٹکتے رہے۔ یہاں تک کہ ان میں سے کچھ بد بختوں نے آپ ﷺ کے ساتھ تشدد برتا۔ لیکن

نبی ﷺ ان کے تشدد آمیز سلوک پر افسوس کرنے کے بجائے ان کی غفلت و جہالت پر افسوس کرتے۔ اور ان جیسوں کے لیے آپ ﷺ فرماتے:

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ

(ص:٨٦)

«(اے نبی ﷺ) ان سے کہہ دیجئے کہ میں اس تبلیغ پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا اور نہ ہی میں بناوٹی لوگوں میں سے ہوں۔»

یعنی نبی ﷺ کسی غیر کی رضا نہیں محض اللہ کی رضا کے طلبگار تھے۔ نوسال کی مختصر مدّت میں اپنی فوجی قوت سے پورے جزیرۂ عرب کو حیرت انگیز طور پر فتح کیا حالانکہ اکثر اوقات دشمن کی تعداد کے مقابلہ میں آپ کی فوج تہائی بھی نہ ہوتی۔ اور آپ ﷺ نے اس فوجی تعلیم کے ذریعہ بڑی حیرت انگیز کامیابیاں حاصل کیں جو آپ ﷺ نے اپنے زمانہ کی غیر منظم قوم کو روحانی غذا کے طور پر دی تھیں، جو لا قانونیت کے شکار تھے ان فتوحات میں جانی ومالی نقصان بہت معمولی ہوا۔ اور اس وقت کی دو بڑی سلطنتیں ایران وروم کو بڑی خطرناک شکست سے دوچار کیا۔

اس طرح تمام منفی حالات کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے تاریخ انسانیت میں ایک عظیم انقلاب برپا کردیا، مظالم کا خاتمہ کیا، مظلوموں کے آنسوں پونچھے اور آپ کا دست شفقت یتیموں کے سروں کا تاج بن گیا، اور آپ کی رحمت کے نور سے دلوں کا غم مٹنے لگا۔

اس مضمون کو ترکی شاعر محمد عاکف نے بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے:

«جب وقت آگیا اور آپ ﷺ بڑے ہوگئے اور وہ یتیم چالیس سال کی عمر کو پہنچے، تب خون سے لت پت پاؤں جواب تک سروں کوروند رہے تھے، پاک باطن ہو گئے۔

اس معصوم ذات نے لوگوں کے دلوں میں ایمان کی روح پھونک کر انسانیت کو بچالیا۔

ایک ہی حملہ میں قیصروکسری کو پچھاڑکر ان کا قلع قمع کردیا۔

کمزور وناتواں لوگوں کو بچایا جن کے لیے سوائے ذلت وخواری کے کوئی حق نہیں تھا۔

ظلم کے حوالے سے وہ پس وپیش میں نہیں؛ بلکہ اس یقین محکم پر تھے کہ اس کا خاتمہ ضرور ہوگا۔

اور ظلم جو اپنی انتہا کو پہنچا ہوا تھا ختم ہوگیا۔

آپ ﷺ جو واضح راستہ لائے تھے یقیناً دنیا کے لیے رحمت تھا،

آپ نے اپنے رحمت کے پروں سے عدل کے ترانے گانے والوں کو ڈھانپ لیا۔

اور جو کچھ عظمت دنیا میں موجود ہے وہ سب آپ ہی کی نوازش ہے،

سارے کا سارا معاشرہ اور اس کے افراد آپ ہی کے رہینِ منت ہیں۔

تمام انسانیت اس معصوم ذات کے احسانوں میں ڈوبی ہوئی ہے۔

اے خدا! ہمیں ان لوگوں میں سے بنا جو یوم حشر اس اقرار کے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔»

ہمارے آقا سید الانبیاء و المرسلین محمد ﷺ کا طریقہ ایک بحرِ بیکراں ہے۔ جبکہ باقی انبیاء کے طریقے ان نہروں کی مانند ہیں، جو اس دریا میں گررہی ہیں۔ پچھلے تمام نبیوں میں جن کی تعداد بعض روایت کے مطابق تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے، ان میں سب سے بلند تر اور ممتاز اوصاف آپ ﷺ کے ہیں، جو بہترین اخلاق

وعادات میں چوٹی کی حیثیت رکھتے ہیں، قیامت تک پیش آنے والی انسانوں کی ان ضروریات کے لیے ایک مثالی نمونہ صرف آپ کی ذات مبارکہ ہے- اسی لیے آپ کی ذاتِ مطہر کو تمام انسانیت کے لیے "نبی آخر الزماں" بناکر بھیجا گیا۔

چنانچہ نبیِ کریم ﷺ نے اپنے اخلاقِ عالیہ کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا:

«میں اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔» (موطاء، حسن الخلق،۸)

آپ ﷺ اپنے پیچھے کوئی دنیاوی میراث تو نہیں چھوڑ گئے؛ لیکن پوری انسانیت کے لیے اپنی شخصیت اوراپنے عظیم اخلاق کی صورت میں بہترین اور عظیم ترین میراث عطا فرما گئے۔

اسوۂ حسنہ/ بہترین مثال اور نمونہ

حضرت محمد ﷺ وہ واحد رسول ہیں بلکہ در حقیقت تاریخ کے وہ واحد انسان ہیں جن کی زندگی کے ہر پہلو کو گہرائی و گیرائی کے ساتھ قلم بند کیا گیا ہے، بے شک دوسرے انبیاء کے احوالِ زندگی اور تعلیمات بھی ایک محدود حد تک موجود اور دستیاب ہیں، جنھوں نے بنی نوع انسان کی رہنمائی کی اور اچھائی کاراستہ دکھایا، لیکن آپ ﷺ کے لمحہ لمحہ احوال زندگی، تعلیمات اور سنت کو وسیع و بسیط اور کامل و اعظم طرزپر جس طرح محفوظ کیا گیا، اس کی تاریخ میں کوئی مثال ملنی ناممکن ہے اور بے شک آپ کی حیات طیبہ تاریخ کا ایک نہایت ہی قیمتی سرمایہ ہے۔ رب ذوالجلال کا کرم ہے کہ اس نے ان افعال واقوال کو آپ ﷺ کے زمانے سے قیامت تک آنے والے آخری انسان تک پہنچانے کی سبیل پیدا کی۔

اسی لیے ہم پر لازم ہے کہ زندگی کے فتنے سے دور رہنے کے لیے آزمائشوں ، مصیبتوں اور حادثات، میں نبی کریم ﷺ کے اخلاقِ عالیہ کو اپنائیں جیسے شکر، توکل، تقدیر پر راضی رہنا، مصیبتوں

پر صبر، جرأت اور استقلال کا مظاہرہ کرنا، ایثار اور سخاوت کا دامن نہ چھوڑنا، کھلے دل کے ساتھ راضی برضاء الٰہی ہونا، غناء نفس، اور دوسروں کے کام آنا، توازن قائم رکھنا۔ ہماری زندگی میں پیش آنے والے حوادثات میں عاجزی و انکساری اختیار کرنا اور ثابت قدم رہنا اور اکرام کا معاملہ کرنا اور اسے بہترین طریقہ پر اپنی زندگی میں لاگو کرنا چاہیے۔

ان تمام امور میں ایک مثالی نمونہ بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ایک عظیم تحفہ عنایت فرمایا: ہاں وہ ہمارے آقا رسول اللہ ﷺ، اپنی حیاتِ طیبہ اور مثالی نمونہ کے ذریعہ رہبر کامل ہیں۔

بلاشبہ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ انور گزشتہ نسلوں اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے مثالی نمونہ ہیں۔قرآن خود آپ ﷺ کے بارے میں فرماتا ہے۔

وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ

(القلم:۳،۴)

«اور بے شک آپ کے لیے ایسا اجر ہےجو کبھی ختم ہونے والا نہیں اور بے شک آپ اخلاق کے اعلی نمونہ پر ہیں۔»

آپ ﷺ کی شخصیت اور آپ کا مبارک طریقہ اپنے مظاہر و علامات کے ذریعہ ایک ایسا منظم طریقہ ہے، جو ایک مکمل شکل میں انسانوں نے حاصل کیا اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اور بلاشبہ آپ کا اعلیٰ اخلاق وکردار انسانیت کے لیے ایک بہترین اور زندۂ جاوید نمونہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ساری انسانیت کے سامنے نبیﷺ کی شخصیت کو اسوۂ حسنہ کی شکل میں پیش کیا ہے، جس کے بارے میں قرآن مجید کا بیان ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (الاحزاب: ۲۱)

«بے شک رسول اللہ کی ذات میں تمہارے لیے نہایت حسین نمونہ ہے اس کے لیے جو اللہ اور قیامت کے دن پر امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہو۔»

زندگی کے تمام مراحل میں رسول اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا ہر صفحہ ہمارے سامنے اپنی پوری آب و تاب اور منفرد جمال و کمال کے ساتھ موجود ہے۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی کا خوبصورت معاشرتی پہلو، کہیں اجمالی شکل میں تو کہیں تفصیلی شکل میں ہمارے

پاس ہے۔ اسی لیے ہر انسان اپنے لیے نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور پرنور سنت میں خوبصورت اورکامل معاشرتی نمونہ پاسکتا ہے۔

چناں چہ آپ ﷺ دینی قیادت میں ایک اعلیٰ نمونہ اور ملکی حکمرانی میں ایک مثال تھے۔ آپ ﷺ محبت الہی کے متلاشیوں کے لیے ایک نمونہ تھے اور اپنے رب کی بے شمار نعمتوں کے نزول پر شکر وتواضع کی اعلیٰ مثال تھے۔

نیز تکالیف اور آزمائشوں میں آپ ﷺ تسلیم و رضا کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ امیری میں استغناء وسخاوت، اور اپنے گھر والوں کے ساتھ شفقت و رحمت کی اعلیٰ مثال تھے۔ آپ ﷺ ضعیفوں، غلاموں اور مسافروں پر رحم و کرم کا نمونہ تھے اور مجرموں کے ساتھ عفو ودرگذر کا معاملہ میں بھی اعلی مثال تھے۔

لہذا اگر آپ صاحبِ ثروت اور مالدار شخص ہیں، تو نبی ﷺ کی عاجزی وانکساری اور جود و کرم پر غورکریں، جنہوں نے جزیرۂ عرب پر ایک مثالی حکومت کی اور عرب کے بڑے بڑے سرداروں کی قیادت کرتے ہوئے انہیں محبت و امن کی لڑی میں پرودیا۔

اگرآپ کمزور رعایا میں سے ہیں توپھر حضرت محمد ﷺ کی اُس زندگی سے سبق لیں جوانھوں نے مکہ میں انتہائی سنگ دل اور ظالم بت پرست اور جابر مشرکین کے اقتدار میں گزاری۔

اگر آپ کامیاب وکامران فاتح ہیں تو محمد ﷺ کی جرأت و شجاعت اور قائدانہ صلاحیتوں سے عبرت حاصل کیجئے جب بدر و حنین میں آپﷺ نے دشمن کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردیا۔

لیکن خدانخواستہ اگرآپ شکست سے دو چار ہوجائیں، تو پھر یاد کیجئے نبی کریم ﷺ کے صبر و توکل ، ہمت و بہادری کو جب آپ ﷺ میدانِ اُحد میں اپنے زخمی اور شہید صحابیوں کواٹھاتے ہوئے نظر آئے۔

اگر آپ ایک استاد ہیں توذرا غور کیجیے اس نبی ﷺ کے بارے میں جس نے احکام الٰہی کی تعلیم دی اور مسجد نبوی کے اصحاب صفہ پر آپ ﷺ کے نرم اور حساس قلب کی برکتوں کا فیضان ہوا۔

اگرآپ ایک طالب علم ہیں تو آنحضرت ﷺ کا جبریل امینؑ کے سامنے ادب واحترام اور ذوق وشوق کے ساتھ بیٹھنے کے اس عالم کا تصور کریں جب جبرئیلؑ وحیٔ الٰہی لے کر آپ کے پاس آتے تھے۔

اگرآپ ایک مبلغ وداعی اوررہنما و امین ہیں، تو مسجدِ نبوی میں اپنے اصحاب سے نبی ﷺ کے دلنشین انداز، اور شیریں آواز میں حکمت کے موتی بکھیرتے لہجے کو حرزِ جاں بنائیے۔

اگرآپ حق پر مضبوطی سے قائم رہ کر اس کی تبلیغ اور دفاع کرنے والے ہیں اور اس کام میں آپ کا کوئی معین و مددگار بھی نہیں ہے تو حضوراکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو دیکھیں، جب آپ ﷺ نے مکہ میں ظالموں کے سامنے ببانگِ دہل حق کا اعلان کیا اوران لوگوں کو ہدایت کی طرف بلایا جبکہ آپ ﷺ کسی بھی قسم کی امداد و تقویت سے محروم تھے۔

اگر آپ نے کسی دشمن کو خطرناک قسم کی شکست سے دوچار کیا ہے اور اس کی کمر توڑکر، اس پر غالب اور فائق ہوگئے ہیں، اور اگر آپ باطل کو شکستِ فاش دینا اور حق کا اعلان کرنا چاہتے ہیں تو پھر حضرت محمد ﷺ کی زندگی پر نظر ڈالیں اور اپنی بصیرت وبصارت کی آنکھوں سے فتح مکہ کے دن اپنی اونٹنی پر سوار تواضع وانکساری اور شکر گزاری کی اعلیٰ مثال بنے نبی ﷺ کو مکہ معظّمہ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھیں۔

اگر آپ ایک کسان ہیں اور اس میں منظم طریقہ سے کام کرنا چاہتے ہیں تو نبی ﷺ کی کی زندگی سے سیکھیں کہ کس طرح آپﷺ نے بنو نضیر، خیبر اور فدک کی اراضی کی ملکیت ملنے کے بعد اس میں نظم و نسق کے ساتھ لوگوں کو کام پر مامور کیا۔

اگرآپ اکیلے بے یار ومددگار ہیں تو اس درِّ یتیم پر غور کیجئے جو عبداللہ اور آمنہ کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھے۔

اگرآپ بھرپور نوجوان ہیں تو اس نوجوان کی زندگی پر غور کیجئے جو مستقبل کا تو نبی ہے مگرمکہ میں اپنے چچا ابوطالب کا چرواہا۔

اگرآپ تاجر ہیں تو اس شخص کے احوال پر غور کیجئے جو یمن اور شام کے قافلوں میں سفر کرتے ہوئے ان سب میں اعلیٰ مقام و مرتبہ کے حامل تھے۔

اگرآپ منصف و قاضی ہیں تو کعبہ میں حجرِ اسود کی تنصیب کے سلسلہ میں سردارانِ عرب کے درمیان کی رسہ کشی کو نبی ﷺ کی حکیمانہ فراست اور ذہانت سے سلجھاتے ہوئے دیکھیں جو آپ ﷺ کی فراست و ذکاوت کی دلیل ہے۔

پھر تاریخ کے ان اوراق پر نظر ڈالیں جب مدینہ منورہ میں نبی کریم ﷺ مسجد نبوی میں امیروں اور غریبوں کے درمیان مساویانہ احکام نافذ کرتے ہیں۔

اگرآپ ایک شوہرہیں تو حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہؓ کے شوہر پر ان کے پاکیزہ طریقہ پر اور ان کے گہرے پاکیزہ جذبات و احساسات اور رحمت و شفقت پر غور کریں۔

اگر آپ ایک باپ ہیں تو فاطمہؓ کے والدِ ماجد اور حسنؓ اور حسینؓ کے نانا جان کا ان سے محبت بھراطرزِ عمل اور ان سے آپ ﷺ کا سلوک ملاحظہ کریں۔

الغرض آپ مندرجہ بالا افراد میں سے جو بھی ہوں اور خواہ کسی حالت میں بھی ہوں، آنحضرت ﷺ کو آپ اپنی زندگی میں ہر وقت اور ہر جگہ بہترین انسان اور مکمل ہدایت دینے والا پائیں گے۔

آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ ایسی رہنما ہے کہ جن کی سنت پر عمل کرکے آپ اپنی تمام خامیوں کودور کرسکتے ہیں۔ راہ راست سے ہٹے ہوئے اپنے تمام کاموں کو منظم کرسکتے ہیں اور آپ ﷺ کی سنت شریفہ پر عمل کر کے اپنے تمام امور درست کر سکتے ہیں- آپ

ﷺ کی رہنمائی کی روشنی میں، آپ اپنی زندگی کی ناکامیوں سے چھٹکارا پاسکتے ہیں اورآپ حقیقی سعادت سے بہرہ مند ہوسکتے ہیں۔

بے شک آپ ﷺ کی باطنی صلاحیتوں کی دنیا جنت کے ان گھنے باغوں کی مانند ہیں جسے شبنمی وخوشگوار پھولوں اور مشک کی خوشبو والے گلابوں سے مزین کیا گیا ہے۔

جیساکہ ہم نے مذکورہ بالا سطور میں ملاحظہ کیا کہ رحمت للعالمین ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہراعتبار سے معاشرہ کے ان افراد کے لیے مکمل نمونہ ہے، جو کبھی عزت کی زندگی گزارتے ہیں اور کبھی ذلت کی۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ کسی محکوم کی زندگی کسی حاکم کے لیے نمونہ نہیں بن سکتی اور نہ ہی کسی حاکم کی زندگی کسی محکوم کے لیے نمونہ بن سکتی ہے۔

جیسے وہ فقیر جو محرومیت کا شکار رہتے ہوئے، روزی روٹی کے حصول کی کشمکش میں اپنی پوری زندگی گزاردیتا ہے، چناں چہ ایسا بدحال وپریشان انسان کسی ایسے مالدار کے لیے مثال نہیں بن سکتا جو خوشحال زندگی گذار رہا ہو۔

جبکہ نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں دونوں کے لیے نمونہ ہے۔ کیوں کہ یہ بات تو ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی

زندگی کی ابتداء ایک ایسے یتیم بچے کی طرح کی جو معاشرہ میں بے انتہا کمزور و بے یار و مددگار سمجھا جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالی نے آپ کی پوری حیاتِ مبارکہ میں کامیابی کی طرف ایسی راہ ہموار کی کہ بالآخر آپ قدرت و صلاحیت کے اعلیٰ معیار پر فائز ہوگئے چنانچہ آپ مملکت اور منصب نبوت دونوں سے سرفراز ہوئے۔ نبی ﷺ کی حیات طیبہ کا ہر سنہرا گوشہ ہمارے سامنے ایسے مثالی طریقے پیش کرتا ہے کہ انسانی زندگی میں مد و جزر کے تمام تر مسائل میں نبی ﷺ کی زندگی کے مراحل سے بہت سی مثالی رہنمائی ملتی ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ سارے انسانوں کے لیے ایسا مکمل عملی نمونہ ہے جس کی وہ اپنی قدرت و استطاعت کے بقدر تقلید کرسکتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ آپ کی ذاتِ اقدس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ایک عظیم معجزہ عنایت فرمایا ہے اور آپ ﷺ ہر مسلک و مشرب کے لیے ایک اعلیٰ و مثالی نمونہ ہیں خواہ وہ معاشرہ کا اعلیٰ درجہ ہو یا ادنیٰ ۔ اور آپ ﷺ ان مؤمنین کے لیے ایسی کامل اور عملی میزان ہیں جو آپ ﷺ کی ممتاز مثالی شخصیت سے استفادہ کرتے ہیں۔

یقیناً جن حضرات نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ انسانیت کے لیے نجات کا راستہ واضح کر سکتے ہیں، اس طرح وہ حضرات اپنے علاوہ دیگر انسانوں کے لیے نمونے کی حیثیت رکھتے ہیں، بالخصوص فلاسفہ، جنہوں نے ہر چیز کی وضاحت کے لیے اپنی کوتاہ عقل اور اپنے بے بس دماغ کا سہارا لیا، چنانچہ ایسے لوگ اپنے دعوی کو ثابت کرنے میں ہمیشہ ناکام رہے ہیں؛ سوائے انبیاء، رسولوں اور ان کے نقش قدم پر گامزن رہنے والے اللہ کے نیک بندوں کے۔ چونکہ تمام انبیاء کا تعلق ایک ہی منبع اور مصدر یعنی وحی الہی سے ہے؛ لہذا وہ سب ایک دوسرے کی سچائی کا ثبوت بن کر مخلوق کو حقیقت کی طرف گامزن کرتے رہے۔اور وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے **«اللہ تعالی اس طرح حکم فرماتا ہے»**۔ سب نے اللہ تعالی کے احکامات کی تعلیم دی۔ اللہ تعالی کا ذکر کرتے ہوئے ہمیشہ اُس کے پیغامات سناتے رہے۔ تاہم فلاسفہ کا مقصد اگرچہ حقیقت کی راہ میں لوگوں کی راہنمائی کرنا تھی؛ مگر وہ تائید الہی سے محروم تھے اور خواہشات نفس کے تابع اپنی کوتاہ عقل سے غور وفکر کرتے تھے؛ اسی لیے (انبیاء کے برخلاف) وہ اپنی رائے کے مطابق فیصلے سناتے تھے اور ہر فلسفی ہمیشہ یہی کہتا تھا کہ میری رائے یہ ہے، یہ میرا نظریہ ہے۔ اسی

اختلاف کے نتیجہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کی رائے کو کالعدم بھی کرتے تھے اور ایک دوسرے کی تکذیب بھی کرتے تھے؛ اسی لیے نہ وہ خود راہ راست پر آسکے اور نہ ہی اپنے معاشرے کی راہ راست پر لا سکے۔

مثال کے طورپر **ارسطو** جو فلسفہ اخلاق اور قواعد فلسفہ کا بانی سمجھا جاتا ہے؛ مگر وہ وحی کی تعلیمات سے محروم تھا؛ اس لیے اسے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ملا، جو اس کے فلسفہ پر ایمان لا سکے اور نہ ہی کوئی شخص اس کے فلسفہ کی پیروی کر کے سعادت حاصل کر سکا، جس کی اہم وجہ یہ ہے کہ فلاسفہ لوگوں کے قلوب کی صفائی اور ان کے نفوس کا تزکیہ نہیں کرتے اور نہ ہی وحی کے تعاون سے ان کے افکار واعمال پختہ اور کامل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں؛ لہذا قرآن کریم ہی وہ واحد راستہ ہے، جو انسان کو ایسی ذہنی صلاحیتوں اور قلبی رجحانات سے پیدا ہونے والے مصائب سے چھٹکارا دلا سکتا ہے، جن کی وحی کے ذریعہ تعلیم وتربیت نہ ہوئی ہو؛ چنانچہ قرآن پاک وہ مضبوط رسی ہے، جو اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزماں ﷺ کے ساتھ اس امت کو عطا فرمائی ہے۔

حقیقتاً قرآنِ مجید کے اکثر عملی نمونے، ہمارے نبی ﷺ کی بیش بہا سیرت میں موجود ہیں۔ لہذا موجودہ صورت حال میں بنی نوع انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی تخلیق کی غرض وغایت کو سمجھے اور قرآنِ مجید اور سنت مطہرہ کو صدق و اخلاص اور استقامت کے ساتھ تھامے۔

نبی کریم ﷺ نے رہنما کی حیثیت سے ہمارے لیے دو عظیم سرچشمے چھوڑے ہیں: (۱) قرآن کریم (۲) سنتِ مطہرہ، اس لیے کہ یہ دونوں ایسے نسخۂ کیمیاء کے مانند ہیں، جس سے دنیاوی و اُخروی سعادت کا حصول ممکن ہے اور یہ دونوں ماخذ ہمارے نبی ﷺ کے «پرنور وجود» کی یادگار بھی ہیں۔

دوسری جانب دیکھیں کہ آخری نبی کی حیثیت سے ذمہ داری نبھانے سے پہلے بھی آپ ﷺ اپنی قوم میں محبوب رہے، حتی کہ لوگ آپ کو صادق وامین کے لقب سے پکارتے تھے، وہ کہتے تھے: آپ ہی امین اور آپ ہی سچے ہیں۔ اس محبوبیت اور مقبولیت کے راسخ ہوجانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دعوت وتبلیغ شروع کی۔

بعثت سے قبل آپ ﷺ کی بہترین فطرت، حسنِ اخلاق استقامت اور آپ ﷺ کے صدق کے بارے میں جاننے کے بعد

وہ لوگ آپ ﷺ کے دلدادہ ہوگئے تھے۔ اور انہوں نے آپ کو «امین» کے لقب سے نوازا اور کعبہ کی تعمیر کے وقت حجرِاسود کی تنصیب کے اختلافی معاملہ میں بھی آپ ﷺ کے فیصلہ پر سر تسلیم خم کیا۔

اللہ کے پیغمبر ﷺ نے اپنی سچائی اور امانت داری کو اس قدر منوالیا تھا کہ ابوسفیان (جواس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور اسلام دشمن تھے)، سے جب شہنشاہِ روم نے سوال کیا کہ: **«کیا نبوت کے دعوی سے قبل آپ لوگوں کو کبھی ان میں جھوٹ کا بھی تجربہ ہوا ہے؟»** تو ابوسفیان یہ جواب دینے پر مجبور ہوگئے: «نہیں» اس نے پوچھا: «کیا وہ دھوکہ دیتے ہیں؟»، میں نے کہا: **« نہیں، ہم ان کے ساتھ مدت سے ہیں اور انہیں کبھی اپنے قول کے خلاف عمل کرتے ہوئے نہیں دیکھا، اور ابوسفیان مزید کہتے ہیں کہ اس بات کے علاوہ میں ان کے بارے میں کچھ بھی اضافہ کرنے پر قادر نہیں تھا۔»**[6]

اہل مکہ ہر بات میں آپ کی تصدیق کرتے کیوں کہ انہوں نے آپ میں صفتِ امانت بدرجۂ اتم موجود پائی تھی۔

---

6 بخاری بدء الوحی، ٦، الصلاۃ، ١، الصدقات، ٢٨؛ مسلم، الجہاد، ٧٤۔

ایک اوراہم مثال پیش ہے، ابو جہل اور اس کے ساتھی، جو آپ ﷺ کے بدترین دشمن تھے، پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں ایک دن کیا کہتے ہیں:

«اللہ کی قسم، اے محمد ہم آپ کی تکذیب نہیں کرتے آپ ہمارے نزدیک، ایماندار اور انتہائی شائستہ شخصیت ہیں۔ ہم صرف آپ کے لائے ہوئے دین کی تکذیب کرتے ہیں۔»

اس بارے میں آیت میں بیان کیا گیا ہے:

قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ (الآنعام: ٣٣)

«بے شک ہم جانتےہیں آپ ﷺ کو وہ (بات) ضرور رنجیدہ کرتی ہے جووہ کہتے ہیں وہ یقینا آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ ظالم لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔»7

کتبِ سیرت میں ایک اور واقعہ بھی ملتا ہے جس سے وہ اسباب واضح ہوتے ہیں جن کی وجہ سے آپ ﷺ کو مشرکین تک **«محمد امین»** کہہ کر بلایا کرتے تھے۔ کہ جب خیبر کی لڑائی جاری تھی

7 الواحدی، اسباب النزول، تحقیق: کمال بسیونی زغلول، بیروت، ۱۹۹۰م، ص ۲۱۹۔

اس وقت ایک یہودی چرواہا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مختصر سی گفتگو کے بعد اس نےاسلام اور مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہونے کی خواہش کا اظہار کیا۔ تو رسول کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ سب سے پہلے یہ بھیڑیں ان کے مالکان کو واپس کرو، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، پھر وہ لوٹ کر مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہوگئے،8 حالانکہ جنگ طویل ہوچکی تھی اورسپلائی کی کمی سے مسلمان غذائی بحران کا شکار تھے۔ اس کے باوجود نبی ﷺ کا اس چرواہے کو یہ حکم دینا مشکل سے مشکل حالات میں احساسِ ذمہ داری اور امانت داری کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔

نبی پاک ﷺ کے بے مثال اخلاق اور عظیم الشان حالات سے اصل فائدہ حاصل کرنے کے لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فرمانبرداری کا واقعہ بھی بہترین مثال ہے جنہوں نے واقعہ معراج کی تصدیق کرتے ہوئے یادگار جملہ کہا تھا:

«اگر آپ ﷺ نے فرمایا ہے تو یقینا آپ ﷺ نے سچ ہی کہا ہے۔»

---

8 ابن ہشام، سیرت النبی، بیروت، دارالفکر، ۱۹۳۷م، ج ۳، ۳۹۷۔۳۹۸۔

حقیقتاً نبی ﷺ کے عدل وانصاف اور رحمت و شفقت کے بے شمار واقعات تا قیامت دنیا کے لیے نمونہ رہیں گے۔

عقل سلیم کے حامل بہت سے غیر مسلم اہل علم نے شعوری طور پر رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور آپ کی کامیابی کی تصدیق کی ہے، چنانچہ تھامس کار لایل آپ ﷺ کے تعلق سے کہتا ہے:

«آپ ﷺ کا ظہور تاریکی سے پھوٹنے والی روشنی کی طرح ہے۔»

انسائیکلو پیڈیا بر ٹانیکا میں آپ ﷺ کے افضل ہو نے کے بارے میں یوں لکھا ہے:

«تاریخ انسانی میں اب تک نہ کسی نبی نے اور نہ ہی کسی مصلح اور نہ ہی کسی دینی رہنما نے وہ مقام حاصل کیا جیسا مقام محمدِ عربی ﷺ رکھتے ہیں۔»

اسی طرح «بی اسمتھ»: نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ:

«بے شک محمد بلا قید وشرط متفقہ طور پر ایک عظیم مصلح ہیں۔»

ایک مصنف **سٹین لین پول** اس حقیقت کا یوں اعتراف کرتا ہے:

«جس دن محمد نے اپنے دشمنوں کے خلاف عظیم فتح حاصل کی اسی دن انہوں نےاپنے آپ میں نیکی کی فتح عظیم بھی حاصل کی۔ یہ اس دن کی بات ہے جب آپ نے مکہ فتح کیا۔ اُنہوں نے قریش کے بڑے جم غفیر کو بغیر کسی فدیہ کے چھوڑدیا۔ اور باضابطہ عام معافی کا اعلان کردیا۔»

صاحب تصانیف آرتھر **جیلمین** یہ بھی لکھتا ہے:

«فتح مکہ کے موقع پر آپﷺ کے مقام بلند کا مشاہدہ ہوا؛ کیوں کہ ماضی میں اہل مکہ نے آپ ﷺ کے ساتھ جو ناروا سلوک روا رکھا تھا، اس دن آپﷺ کی ذات پر اس کا کوئی اثر نہیں تھا، جب کہ آپ کے پاس ان سے بد ترین انتقام لینے کے پورے وسائل مہیا تھے؛ اس کے باوجود آپﷺ نے کسی بھی طرح کے خون خرابہ سے اپنے صحابہ کو منع فرمایا اور اپنی بڑی رحمت اور شفقت کا اظہار فرمایا، فتح پر اللہ کا شکر ادا کیا اور اس کی حمد وثنا کی۔»

لوفیت، جو معروف فرانسیسی فلسفی تھا، اور حقوق انسانی کے اعلان سے قبل جس کا ۱۷۸۹ء کے فرانسیسی انقلاب برپا کرنے میں بڑا کلیدی کردار تھا، جب اس نے تمام قوانین اور نظم و نسق کا مطالعہ کرلیا اور اسلامی قوانین کی فوقیت اس پر واضح ہوگئی تو بے ساختہ بول اٹھا:

«اے محمد! آپ کی شخصیت کتنی عظیم الشان و بلند مرتبہ ہے! آپ عدل وانصاف کا وہ بلند معیار قائم کرگئے ہیں جس تک نہ کوئی اب تک پہنچ سکا ہے اور نہ ہی آئندہ پہنچ سکے گا۔»[9]

یہی وہ حقیقی فضیلت ہے، جسے دشمن بھی تسلیم کرتا ہے، اسے ماننے اور اس کی تصدیق کرنے پر مجبور ہوتا ہے، چنانچہ جو لوگ نبی ﷺ پر ایمان نہیں رکھتے، وہ بھی آپ ﷺ کی فضیلت، فراست اور ذہانت کے معترف ہیں؛ کیوں کہ نبی ﷺ کی استثنائی سیرت مبارکہ میں تمام اختلافی امور کا حل موجود ہے اور آپ ﷺ کی سیرت اپنے آپ میں اخلاقی کمال کو جامع ہے، نیز نور کے متلاشی افراد کی راہ میں روشنی بکھیر رہی ہے اور کرۂ ارض پر بنی نوع انسان کی تعلیم کا نقطہ آغاز بھی آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ ہے۔

9 ۔ کامل میراث، تجرید صریح (ترجمہ) البقرہ، ۱۹۷۲ ، ج ۹، ۲۸۹۔

«آنحضور ﷺ کی سیرت ایسے نور کا منبع تھی جو کبھی ماند نہ ہوگی جس نے راہِ حق کے مسافروں کی راہوں میں ہمیشہ چراغاں کرنے کا اہتمام کیا ہے، اور آپ ایسے رہنما تھے جس کی مثال پوری تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔» (حاکم، مناقب، صفحہ ۱۲۶۔۱۲۷)

نبی ﷺ کی خصوصی رہنمائی اور آپ ﷺ کی جامع تعلیمات نے مختلف طبقوں کے انسانوں کو ایک جگہ جمع کیا، اور تمام طبقوں کو ان تعلیمات کے مطابق ڈھال دیا، اور زبان، تہذیب، رنگ، طبقاتی تفریق اور معاشرتی صورت حال کے باوجود سب کو متحد کیا۔

یہ درسگاہ کسی ایک قبیلے کے لیے نہیں تھی یہاں داخلے کے لیے کوئی شرط نہیں تھی بلکہ بلا تفریق و امتیاز صرف اور صرف انسان کے لیے سرچشمۂ ہدایت تھی۔ جہاں کمزور اور طاقتور میں تفریق نہیں تھی۔

ذرا ان فرمانرواؤں کو دیکھئے جو آپ ﷺ کے علم سے فیضیاب ہوئے۔ ان میں حبشہ کا نجاشی، یمن کا مرکبود، قبیلہ حمیر کا سربراہ ذوالکلتہ، فیروزدیلمی، قبیلہ معن کے سربراہ فروۃ اور عمان کے سربراہ عبید بن جعفر ملیں گے۔

آپ دوبارہ نظر ڈالیں، حضور ﷺ کی مجلس میں ان سربرآوردہ حضرات کے ساتھ آپ کو عام لوگوں میں سے بلال، یاسر، صہیب، خباب اور عمار بیٹھے ہوئے ملیں گے، انہیں کے درمیان سمیہ، لبینہ، زنیرہ، نہدیہ اور ام عمیس جیسی باندیاں اور بیوہ خواتین ملیں گی۔

آپ ﷺ کے اصحاب میں جہاں زیرکی، سرعت فہم اور وسیع عقل کے حاملین حضرات تھے، وہیں مشکل ترین کاموں کی انجام دہی کی صلاحیت رکھنے والے، دنیوی اسرار کے شناسا اور مکمل ذہانت ولیاقت کے ساتھ مملکت کی انتظامی قابلیت رکھنے والے افراد بھی تھے۔

آپ ﷺ کی اسی درسگاہ سے فارغ ہونے والے صحابہ دنیا میں پھیلے جنھوں نے شہروں اور ملکوں پر حکومت کی۔ اور عوام الناس میں امن و سلامتی کا دور دورہ ہوا، اور لوگوں میں اخوت و بھائی چارگی قائم ہوئی اور تمام انسانیت ان کے سائے میں حقیقی سعادت و کامرانی، اور ان کی حکومتوں میں حقیقی عدل و انصاف سے روشناس ہوئی۔

حصہ دوم

- ❖ رسول اللہ ﷺ کے اخلاقِ عالیہ
- ❖ ستاروں سے بلند اخلاقی معیارات

رسول اللہ ﷺ کے اخلاقِ عالیہ

تاریخ انسانی حضور اکرم ﷺ کے علاوہ کسی بھی ایسی شخصیت کا تذکرہ پیش کرنے سے قاصر ہے جس کے کردار کا ہر پہلو اتنی دلچسپی، تفصیل اور دیانت داری کے ساتھ محفوظ کیا گیا ہو۔ اگر ہم نبی ﷺ کی سیرت کی تصنیف کرنے کی کوشش کریں تو کئی جلدیں بھی اس کے لیے ناکافی ہوں گی۔

متنوع پہلو والی آپ ﷺ کی شخصیت علوم اسلامیہ میں بنیادی طور پر دلیل[10] اور رہنما کی حیثیت رکھتی ہے؛ چنانچہ علوم اسلامیہ میں اجتہاد[11] کے وقت اسی دلیل کو اختیار کیا جاتا ہے، انھی وجوہات

10 یہی وہ اساس ہے جس پر علومِ اسلامیہ کا مدار ہے یعنی قرآن وسنت جو کہ وحی کی تفسیر و تاویل ہے۔ نبی کریم ﷺ کا قول و فعل، تقریر یا کوئی وصف یا کوئی سلوک جو نبی ﷺ سے ثابت ہو وہ سنت کہلاتی ہے۔ قرآن و سنت میں جس امر کے بارے میں صراحت وارد ہوگئی ہو اس میں اجتہاد کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔

11 اجتہاد: جن مسائل کے متعلق قرآن وسنت میں قطعی احکام موجود نہیں ہیں، ان مسائل میں احکام کا استنباط اجتہاد کہلاتا ہے۔ لیکن یہ کام قران و سنت کے عام احکام کی روشنی میں معروف مجتہدین کے اصولوں کے ذریعہ انجام پاتا ہے۔

کی بنا پر مختلف علوم و فنون میں آپ ﷺ کی گونا گوں ذات اقدس پر غور وخوض کیا گیا ہے۔

چودہ سو سال سے بھی زائد عرصہ سے علوم اسلامیہ میں قرآن کریم کی تفسیریں اور نبی ﷺ کی ذات اقدس کے موضوع پر بڑے پیمانے پر کتابیں لکھی گئیں۔

فخرِ کائنات سرور عالم محمد مصطفی ﷺ کی معجزاتی شخصیت ان کے مکمل و کامل اخلاق ، دانائی و فراست کا احاطہ ہم انسانوں کی قدرت و استطاعت سے باہر ہے۔ اور آپ ﷺ کے ‹‹**نور سرمدی**›› کو کما حقہ سمجھنا ناممکن سی بات ہے؛ کیوں کہ عالم انسانی کے احساسات نبی ﷺ کے ادراک اور آپ کو سمجھنے کے لیے ناکافی ہیں۔

اس کتاب میں ہم بس اپنی استعداد و قدرت کے بقدر آپ ﷺ کے اخلاق کے بحر ذخار میں سے چند خوبصورت نمونے آپ کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ کا پر جمال چہرہ اور آپ کی حسین صورت وسیرت

رسول رحمت ﷺ ایک ایسی عظیم و بابرکت شخصیت ہیں کہ آپ ﷺ کے جیسا کسی کو نہیں بنایا گیا، آپ ﷺ نہ صرف حسنِ صورت سے مالامال تھے بلکہ حسنِ سیرت سے بھی قدرت نے آپ کو خوب نوازا تھا۔ اس کے باوجود ہم اگلی سطروں میں آنحضور ۔ اور آپ ﷺ کی حسنِ سیرت و حسنِ صورت کو اس انداز میں بیان نہیں کرسکتے جیسا کہ وہ آپ کے شایان شان ہے۔

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

«یقینا نبی ﷺ کا کامل جمال ظاہر نہیں ہوا اگر وہ مکمل ظاہر ہوجاتا جیسا کہ وہ اصل میں ہے تو آپ ﷺ کے اصحاب اپنے اندر قوت و استطاعت ہی نہ پاتے کہ آپ ﷺ کے چہرۂ انور کی طرف نظر کریں۔»[12]

بہت سے صحابہ غایت ادب کی وجہ سے آپ کے نور جمال کا مشاہدہ سیراب اور شکم سیر ہوکر نہیں کر سکے؛ حالاں کہ آپ ﷺ ہر وقت ان کے ساتھ اور ان کے درمیان رہتے تھے۔

12 علی یاردم، شمائل رسولنا، استنبول، ۱۹۹۲، ج ۴، ۱۹۹۔

روایت کیا جاتا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ انصار ومہاجرین کی جماعتوں کے پاس سے گذرتے جن میں حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ بھی موجود ہوتے تو صحابہ آپ ﷺ کی طرف تعظیماً نظریں نہ اٹھاتے؛ لیکن ان میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو بڑا خاص استثنا حاصل تھا؛ یہ دونوں صحابہ سرکار دوعالم کی جانب دیکھتے اور آپ ﷺ بھی انہیں دیکھتے اور وہ دونوں آپ کو دیکھ کر مسکراتے اور آپ ﷺ بھی ان کی مسکراہٹ کا جواب مسکراکر دیتے۔ (ترمذی، مناقب ١٦٦٨)

فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص نے صحابہ کی اس حالت کو اپنی آخری عمر میں اس طرح بیان کیا:

«مجھے نبی ﷺ سے زیادہ کوئی اور محبوب نہیں تھا اور آپ ﷺ سے زیادہ تعظیم کے قابل کوئی ذات میرے لیے نہیں تھی؛ اس کے باوجود آپ ﷺ کی جلالتِ قدر کی وجہ سے آپ ﷺ سے آنکھ ملاکر بات کرنے کی قوت مجھ میں نہیں تھی، اگرکوئی مجھ سے ابھی پوچھے کہ رسول اللہ ﷺ کے خوبصورت چہرۂ مبارک کوبیان کروتو مجھے یقین ہے کہ میں ایسا نہیں کر سکوں گا۔» (مسلم،ایمان، ١٩٢؛ احمد، ١٩٩/٤)

حضور اکرم ﷺ کا چہرہ مبارک نہایت روشن، بہت زیادہ خوبصورت اور پاکیزہ تھا، جس سے سکون و اطمینان کی شعاعیں نکل کر اطراف کو منور کرتی تھیں۔

یہاں تک کہ آپ ﷺ کی مدینہ میں آمد کی خبرسن کر عبداللہ بن سلام نے جو قبولِ اسلام سے پہلے ایک یہودی عالم تھے حضور ﷺ کی زیارت کی اور آپ ﷺ کے چہرۂ انوار پر ایک سرسری نظر ڈالی اور کہا:

«ایسا چہرہ کسی جھوٹے کا کبھی نہیں ہو سکتا۔» (ترمذی، قیامہ، ۲۴۸۵/۴۲؛ احمد، ۵۴۵۱/)

آپ ﷺ کی ظاہری خوبصورتی اور دلکشی و رعنائی، آپ کے چہرۂ انور کا نور اور حسن ایسا مکمل تھا کہ جس کے ہوتے ہوئے آپ ﷺ کی رسالت کے لیے نہ کسی برہان اوردلیل کی ضرورت تھی اورنہ ہی کسی معجزے کی۔

آپ ﷺ کے اللہ کے رسول ہونے کی گواہی دینے اور آپ ﷺ کی صداقت ثابت کرنے کے لیے کسی دلیل کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

آپ ﷺ کے چہرۂ انور سے پتہ چل جاتا تھا کہ کونسی بات آپ کو ناپسند ہے اور کس چیز سے آپ راضی و خوش ہیں۔

آپ ﷺ کا لطیف جسم مبارک زندگی، حیا، عزم اور بلند ہمتی جیسے اوصاف عالیہ کو جامع تھا، اورآپ کی نرم دلی تو بیان سے باہر ہے۔

آپ کے چہرۂ پرنور سے گویا روشنی پھوٹتی تھی۔ آپ ﷺ کے کلام میں سلاست اور روانی تھی، آپ ﷺ کی حرکات وسکنات میں چاشنی تھی، نیز آپ ﷺ طلاقت لسانی، فصاحت بیانی اور غیر معمولی بلاغت سے متصف تھے۔

آپ ﷺ فضول گوئی سے پرہیز کرتے تھے۔ آپ کا ہر ہر لفظ حکمت و نصیحت سے پر ہوتا۔ آپ کی لغت میں قیل و قال اور فضول باتوں کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی اور آپ ﷺ لوگوں سے ان کے سمجھنے کی استعداد کے مطابق کلام فرماتے تھے۔

آپ ﷺ عجز و انکساری کا پیکر تھے۔ آپ ﷺ قہقہہ مار کر نہیں ہنستے تھے، بلکہ آپ ﷺ ضرورت پڑنے پر صرف مسکراہٹ اور تبسم پر اکتفا کرتے تھے۔ جو بھی اچانک آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر نظر ڈالتا آپ ﷺ کی جلالتِ شان کی وجہ سے اس کا رنگ

متغیر ہو جاتا۔ اور جو بھی آپ کی مصاحبت اختیار کرتا وہ اپنے دل و جان کی گہرائیوں سے آپ ﷺ سے محبت کرنے لگتا۔

آپ ﷺ مراتب کا لحاظ کرتے ہوئے اہل فضل و کمال لوگوں کا احترام کرتے تھے؛ آپ ﷺ اپنے اہل بیت، صحابہ اور بقیہ دیگر لوگوں کے ساتھ مساویانہ حسن سلوک اور نرمی کا معاملہ کرتے تھے۔

آپ ﷺ اپنے خادموں سے بھی انتہائی اچھا سلوک فرماتے تھے یہاں تک کہ انہیں وہی کھلاتے جو خود تناول فرماتے اور انہیں وہی پہنایا کرتے جو خود پہنا کرتے۔ جس طرح آپ ﷺ سخاوت اور رحمدلی و شفقت میں لاثانی تھے اسی طرح حالات کے مطابق سب سے زیادہ شجاع و بہادر اور حلیم الطبع بھی تھے۔

آپ ﷺ کے کرم وعطا کا آپ ﷺ کے شایانِ شان اندازہ کرنا بھی محال ہے۔ رسول ﷺ اس شخص کی طرح بے دریغ خرچ کرتے تھے جو غربت سے بے فکر ہو۔ اس بات کی وضاحت حضرت جابرؓ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

«ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ ﷺ سے کسی نے کوئی سوال کیا ہو اور آپ ﷺ نے اسے رد کیا ہو۔» (مسلم، فضائل، ۵۶)

آپ ﷺ تمام لوگوں میں سب سے بہترین اخلاق وادب والے، زیادہ صلہ رحمی کرنےوالے، لوگوں کے کام آنے والے، بے حیائی اور فحاشی سے دور رہنے والے اور دوسروں کے ساتھ شفقت اور محبت کا برتاؤکرنے والے تھے۔ آپ خود فرماتےہیں:

«قیامت کے دن مسلمانوں کے نیک اعمال کے میزان میں اچھے اخلاق سے بڑھ کر کچھ بھی بھاری نہیں ہوگا۔ نیز بد اخلاق اور فحش گوئی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ سخت ناپسند کرتا ہے۔» (ترمذی، البر، ۲۰۰۲/۶۲)

آپ ﷺ اپنے وعدے کو پورا کرنے والے، اپنےعہد کو نبھانے والے اور اپنی باتوں میں سچے تھے۔ اور آپ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ، صاحبِ فراست تھے اور آپ کے اوصافِ حمیدہ ایسے تھے کہ ہر کوئی آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہوتا۔ آپ ہمیشہ ذکر وفکر میں رہتے اور ایک حزن سا آپ ﷺ پر چھایا رہتا۔ اگرچہ آپ ﷺ اکثر خاموش رہتے مگر جب بھی گفتگو فرماتے توہر جملہ کو ٹھہر ٹھہر کر اور اطمینان سے ادا کر تے اور اپنی بات مکمل کرتے۔ آپ ﷺ تہہ درتہہ معانی کو صرف چند لفظوں میں ادا کرنے کی خداداد صلاحیت رکھتے تھے کیونکہ آپ ﷺ کو"جوامع الکلم" کی

نعمت سے سرفراز کیا گیا تھا۔ آپ کے الفاظ چنندہ ہوتے اور فضول باتوں سے آپ ﷺ دور ہی رہتے۔ آپ اپنی جلالتِ شان اور جسمانی قوت کے باوجود فطری طور پر رقیق القلب تھے۔آپ حقوق اللہ کی خلاف ورزی اور لوگوں کے حق بات کو قبول نہ کرنے کے علاوہ کبھی غصہ نہ کرتے؛ لہذا جب کبھی دین کو پامال کیا جاتا تو آپ کاغصہ اس وقت تک کم نہیں ہوتا تھا، جب تک دینی حکم کو بحال نہ کیاجاتا، اور اس وقت تک آپ مطمئن نہیں ہوتے تھے۔ اپنے مفاد کے لیے ناراض ہونا آپ ﷺ کی شخصیت میں بالکل نہ تھا اور نہ ہی آپ اپنی ذات کے لیے کبھی جھگڑتے۔ اور نہ ہی کسی سے لڑائی جھگڑا وبحث و مباحثہ کرتے۔

کسی بھی گھر میں آپ ﷺ اجازت کے بغیر داخل نہ ہوتے۔ جب آپ اپنے گھر تشریف لاتے تو اپنے وقت کو تین حصوں میں تقسیم فرماتے، ایک حصہ اللہ سبحانہ وتعالی کےلیے، دوسرا اپنے گھروالوں کے لیے اور تیسرااپنی ذات کے لیے؛ آپ کے اپنے حصہ کا وقت عوام وخواص میں سے تمام لوگوں کے لیے ہوتا، کسی کو محروم کیے بغیر سب کے لیے آپ ﷺ اپنا دل کھول کر رکھ دیتے۔

لوگ مسجد کی کسی مخصوص جگہ یا مقام کو واجب التعظیم نہ بنالیں، اس وجہ سے آپ ﷺ مسجد کے ہر کونے میں بیٹھتے۔ مساجد میں کسی بھی قسم کا مغرورانہ رویہ اپنانے کو سخت ناپسند فرماتے اور جب بھی کسی مجلس میں جاتے تو جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے اور دوسروں کو بھی اس کی نصیحت فرماتے۔

جب کبھی کوئی ضرورت لے کر آتا تو رحمۃ للعالمین ﷺ اس وقت تک سکون کا سانس نہ لیتے جب تک کہ اس کی ضرورت پوری نہ ہوجاتی خواہ اس کی ضرورت چھوٹی ہو، بڑی اہم ہو یا غیر اہم ۔ اور اگر آپ سے اس کی ضرورت پوری نہ ہوتی تو اسے خالی واپس نہ کرتے؛ بلکہ اسے تسلی آمیز کلمات سے نوازتے۔ آپ ﷺ لوگوں کی تکلیف اور دکھوں کو بانٹا کرتے تھے، آپ ﷺ کے نزدیک تمام لوگ برابر درجہ کے تھے؛ خواہ ان کا مقام ومرتبہ کچھ بھی ہو اور خواہ وہ امیر ہو یا غریب، عالم ہو یا جاہل۔ آپ ﷺ کی تمام مجالس محبت وشفقت، فہم وفراست، حکمت ودانائی اور اخلاق و کردار کا بہترین نمونہ ہوتیں۔

کبھی کسی کی غلطی پر واضح مذمت نہ فرماتے۔جب کسی کو خبردار کرنے کی ضرورت ہوتی تو اس کو خوشنما طریقے سے ایسے اشارہ فرماتے

کہ اس کا دل نہ ٹوٹے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نا صرف خود دوسرں کے عیوب تلاش کرنے سے اجتناب کرتے بلکہ دوسروں کو بھی سختی سے ایسا کرنے سے منع فر مایا کرتے۔

فخر کائنات کی زبان مبارک سے سوائے نیک باتوں کے کوئی اور بات نہیں نکلتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلسیں محبت سے لبریز ہوتیں، چناں چہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گفتگو فرماتے تو صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارد گرد جمع ہوکر اس طرح غور سے سنتے گویا ان پر جادو کردیا گیا ہو، چنانچہ ان پر گفتگو کے دوران کامل ادب وسکون چھایا رہتا۔ بعد میں صحابہ نے اس کویوں بیان کیا:

«ہم خاموشی اور سکتے کی ایسی حالت میں بیٹھتے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے آبیٹھے ہوں۔» (سنن ابوداؤد ، ۴۷۵۳/۲۴)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب واحترام کا اس حد تک خیال رکھتے کہ گستاخی کے اندیشے سے خودسے کوئی سوال نہ کرتے خواہ کتنی ہی بڑی پریشانی کیوں نہ ہو بلکہ انتظار کرتے کہ صحرا سے کوئی بدو آکر کوئی سوال کرے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس کی گفتگو کی برکت و روحانیت سے فیض یاب ہوسکیں۔

رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی کامل اخلاص کی علامت، زندہ مثال اور نمونہ تھی، آپ نے کبھی ایسی بات نہیں کی جو آپ کے دل میں موجود نہ ہو، آپ ﷺ کے اخلاق وعادات قرآن کریم کی چلتی پھرتی تفسیر تھیں؛ آپ ﷺ نے کبھی ایسے کام کی دعوت نہیں دی، جس پر خود آپ ﷺ عمل پیرا نہ ہوں۔[13]

رسول اللہ ﷺ کی تواضع

اگرچہ رسول اللہ ﷺ کو کم مدت میں اتنی وسیع بادشاہت حاصل ہوگئی، جتنی دنیا کے کسی بادشاہ حاصل نہیں ہوسکی، نیز تمام انسانیت کے مثالی معلم ومربی کی حیثیت سے آپ ﷺ نے سارے دلوں پر بادشاہت کی، تاہم آپ ﷺ ان نعمتوں کی طرف بھی کبھی راغب نہیں ہوئے، جو آپ ﷺ کے قدموں کے نیچے پڑی رہتی تھیں، آپ ﷺ ان اوصاف وکمالات، مناصب ومراتب کے باوجو اپنی سابقہ تواضع والی زندگی پر برقرار رہے، آپ ﷺ حسب سابق کچی اینٹوں کے بنے ہوئے خستہ حال اور معمولی کمرے میں زندگی بسر کرتے تھے۔ پہلے کی طرح کھجور کے بستر پر سوتے۔ سادہ

13 دیکھیں: ابنِ سعد کی الطبقات الکبریٰ، بیروت، دار صادر، ج ۱، ۱۲۱، ۳۶۵، ۴۲۵-۴۲۲۔

کپڑے پہنتے۔ کئی بار آپ کے پاس کھانے کو کچھ نہ ہوتا تب بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا شکر بجالاتے۔ بھوک سے بچنے کے لیے پیٹ پر پتھر باندھتے۔اگرچہ آپ ﷺ معصوم تھے اور آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دئے گئے تھے پھر بھی آپ ہمیشہ اللہ کا شکر ادا کرنے اور اس سے عاجزی و آہ وزاری کرنے میں مشغول ہوتے، اور راتوں کو اس قدر طویل نمازیں پڑھتے کہ پاؤں مبارک پر ورم آجاتا۔

ضرورتمندوں کی مدد کے لیے فوراً کھڑے ہوجاتے اور بے سہارا اور یتیموں کی دلجوئی کرتے۔ اپنی عظمت شان کے باوجود انتہائی غریب اور لاچار لوگوں کے ساتھ رہتے، ان پر شفقت ورحمت کا معاملہ فرماتے۔

فتح مکہ کے دن آپ ﷺ کی بے پناہ طاقت کو دیکھ کر، لوگوں کے دلوں میں خوف ورعب پیوست ہوگیا، آپ ﷺ کے دبدبہ کے سامنے ڈر کی وجہ سے ان پر رعشہ طاری تھا، اسی دوران ایک شخص کانپتے ہوئے حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا: "یا رسول اللہ! مجھے اسلام کے بارے میں کچھ سکھائیں۔" آپ ﷺ نےاسے اسلام کے بارے میں بتانا شروع کیا، ساتھ ہی آپ ﷺ نے

اس مکی شخص کے سامنے ہجرت سے قبل مکہ میں اپنی بے بسی اور کمزوری یاد دلائی۔ پھر فرمایا:

«پرسکون رہو، میں بادشاہ نہیں ہوں، (یہ نہ بھولو کہ) میں ایک ایسی خاتون کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھایا کرتی تھی۔»[14]

یہ انداز گفتگو آپ ﷺ کو تواضع کے ایسے اعلیٰ مقام سے نوازتا ہے کہ پوری تاریخ انسانی ایسی عاجزی وانکساری کی ایک ادنیٰ سی مثال بھی پیش کرنے سے قاصر ہے۔

اسی دن نبی ﷺ کے یارِ غار اور آپ کے محبوب دوست سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنے بوڑھے والد کو آپ ﷺ کے پاس لائے تو آپ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا:

«تم نے اپنے بوڑھے والد کو لانے کی تکلیف کیوں کی، میں خود ہی، ان سے ملاقات کے لیے گھر چلا جاتا۔»[15]

رسول اللہ ﷺ اکثر متواضع انداز میں اپنے آپ کو قرآن کے ان الفاظ میں بیان کرتے:

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ (الکھف:١١٠)

---

14 ابن ماجہ، الاطعمۃ، ٣٠، طبرانی، المعجم الاوسط، ج ٢، ٦٤۔
15 احمد، ج ٦/٣٦٤؛ ہیثمی، ج ٦/١٦٤؛ ابن سعد، ج ٤٥١/٥

«کہہ دیجئے میں تمہاری طرح کا انسان ہوں، صرف یہ کہ میرے اوپر وحی کی جاتی ہے۔»

آپ ﷺ اس بات کی پوری نگرانی فرماتے کہ آپ ﷺ کی امت سابقہ امتوں کی طرح غلو اور گمراہی میں نہ پڑ جائے، چنانچہ اصرار کے ساتھ اس بات کی تاکید فرماتے کہ آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کے ساتھ آپ ﷺ کو عبداللہ (اللہ کا بندہ) بھی کہا جائے۔

جو کوئی آپ ﷺ کی تعظیم میں حد سے تجاوز کرتا تو آپ اسے ٹوکتے اور فرماتے:

«مجھے میرے مستحق مقام سے بلند نہ کرو جیسا کہ ابن مریم کے ساتھ نصارٰی (عیسائیوں) نے کیا۔ میں ایک بندہ ہوں اس لیے کہو: اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔» (الھیثمی، ۹/۲۱)

حضور اکرم ﷺ کے پاس کھانے کا ایک بڑا پیالہ تھا جو غراء کہلاتا تھا۔ جسے چار لوگ اٹھا تے تھے۔ ایک دن صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد ثرید سے وہ بھرا ہوا پیالہ لے کر آئے، جس کے اِرد گرِد صحابہ رضوان اللہ علیھم اجمعین جمع ہو گئے۔ جب وہاں بہت سے صحابہ جمع ہو گئے تو حضور ﷺ ان کے ساتھ گھٹنوں

کے بل بیٹھ گئے (جیسے نماز کے قاعدے میں بیٹھتے ہیں)۔ ایک بدو بھی یہ سب دیکھ رہا تھا، اس نے پوچھا:

«بیٹھنے کا یہ کون سا طریقہ ہے؟»

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اللہ نے مجھے باادب بندہ بنایا ہے، نہ کہ جابر اور ضدی۔»

پھر آپ ﷺ نے فرمایا **« اپنے سامنے کی جانب سے کھاؤ اور پہلے بیچ کے کھانے کو مت کھاؤ؛ تاکہ اس میں برکت ہو۔»**

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی ایک متکبر و مغرور انسان کا سا برتاؤ نہیں کیا۔

ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

« اپنے عمل میں درست رہو، میانہ روی اختیار کرو، اور خوش خبری سنو: کوئی شخص محض اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں داخل نہ ہوگا۔» صحابہ رضوان اللہ علیھم اجمعین نے حیرت سے سوال کیا:

« یا رسول اللہ آپ بھی نہیں؟ »تو رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا:

«ہاں میں بھی نہیں مگر یہ کہ میرے اوپر اللہ کی مغفرت اور رحمت ہو جائے۔» (بخاری، رقاق، ۱۸؛ مسلم، منافقین، ۷۱، ۷۲؛ ابن ماجہ، زاہد، ۲۰؛ دارمی، رقاق، ۲۴)

آپ ﷺ نے ایسا شاہانہ لباس پہننے والے کو جس سے تکبر وغرور اور خود پسندی چھلکتی ہو تنبیہ فرمائی کہ اللہ اس کو قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائیں گے۔ اس سلسلے میں خصوصی طور پر نبی ﷺ فرماتے ہیں:

«قیامت کے دِن اللہ ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھے گا جو اپنے کپڑے کو تکبر سے زمین پر گھسیٹتے تھے۔» (بخاری، لباس، ۱، ۵)

نیز فرمایا:

«جوکوئی دنیا میں شہرت کا لباس پہنے گا اللہ تعالی اُسے آخرت میں ذلت کا لباس پہنائیں گےاور پھر اس میں آگ بھڑکائی جائے گی۔» (ابن ماجہ، لباس، ۲۴)

آپ ﷺ اپنے ذاتی مالِ غنیمت کو بھی عطیہ کردیتے اور خودایک عام آدمی کی طرح سادی اور فقر کی زندگی گزارتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کا جود وسخا

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے من جانب اللہ صدقہ وخیرات کرنے پر مامور کیا گیا ہے اور فرماتے کہ: اللہ تعالیٰ ہی حقیقی معنوں میں عطا کرنے والا اور ہر چیز کا مالک ہے۔

صفوان بن اُمیہ، بڑے سخت مشرک اور قریش کے نمایاں افراد میں شمار ہوتے تھے۔ اسلام لانے سے پہلے حضور ﷺ کے ساتھ حنین اور طائف کی جنگوں میں شریک تھے، جنگ کے بعد مقام جعرانہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مالِ غنیمت کا معائنہ کر رہے تھے اور اونٹوں، بکریوں اور دیگر جانوروں سے بھری ہوئی وادی کی طرف وہ بار بار دیکھ رہے تھے، آپ ﷺ نے ان کی خواہش کے محسوس کرتے ہوئے فرمایا:

«اے ابو وھب! کیا جانوروں سے بھری ہوئی وادی آپ کو پسند ہے۔» جب انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«جاؤ یہ اور اس میں جو کچھ ہے سب تمہارا ہے۔» صفوان بن امیہ نے فورا کہا: «اتنا مال نبی کے علاوہ کوئی اور شخص اتنی خوش

دلی سے نہیں دے سکتا!» پھر اسی وقت انہوں نے کلمہ شہادت پڑھ لیا۔16

چنانچہ جب وہ اپنے قبیلے میں واپس گئے تو ان الفاظ سے دعوتِ دین دینے لگے:

«اے میری قوم! اسلام میں داخل ہوجاؤ۔ خدا کی قسم محمد ﷺ اس شخص کی طرح دیتے ہیں جس کو فقیری کا خوف نہیں ہوتا۔» (مسلم، فضائل،۵۷۔۵۸؛ احمد، ۱۰۷/۳)

ایک دفعہ ایک شخص حضور ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ سے کچھ مانگا۔ آپ کے پاس اُس وقت کچھ نہ تھا، لیکن اس کے باوجود حضور ﷺ نے اس شخص کی مدد کے لیے کسی سے قرضہ لیا اور اسے یقین دہانی کرائی آپ ﷺ خود قرضہ چکادیں گے۔ 17

آپ ﷺ اپنے جد امجد حضرت ابرہیم علیہ السلام کی طرح کبھی بغیر مہمان کے تنہا کھانا نہ کھاتے۔ آپ ﷺ مردہ اشخاص کا قرض ادا کرتے یا ان کے وارثوں کو اس بات کی تاکید کرتے کہ وہ قرض ادا کریں، اور آپ ﷺ اس شخص کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھایا

16 الواقدی، المغازی، بیروت، ۱۹۸۹، ج، ۲، ص ۸۵۵-۸۵۴۔

17 ہیثمی، ۲۴۲/۱۰؛ نیز دیکھیں ابوداؤد ، الخراج، ۳۳۔۲۰۵۵/۳۵؛ ابن حبان، الصحیح، بیروت، ۱۹۹۳م، ج ۱۴، ۲۶۲-۲۶۴

کرتے تھے جس کا قرض ادا نہ ہوا ہو، حدیث شریف میں آیا ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

«سخی اللہ کے قریب ہوتا ہے، جنت کے قریب ہوتاہے، لوگوں کے بھی قریب ہوتاہے اور دوزخ سے دور؛ لیکن کنجوس اللہ سے دور ہوتا ہے، جنت سے دور ہوتا ہے، لوگوں سے بھی دور ہوتا ہے اور دوزخ سے قریب ہوتا ہے۔» (ترمذی، البر، ۱۹۶۱/۴۰)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

«دو اوصاف ایک ساتھ کبھی سچے مسلمان میں نہیں پائے جاتے، بخل اور بُرے اخلاق۔» (ترمذی، ۱۹۶۲/۴۱)

رسول اللہ ﷺ کا تقوی

آپ ﷺ یقیناً تمام لوگوں میں سب سے زیادہ متقی تھے لیکن اس کے باوجود، اکثر اللہ تعالیٰ سے تقوی کی زیادتی کے لیے دعا کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے:

اے اللہ! میرے نفس کو تقویٰ عطا فرما اور اس کی تطہیر فرمادے۔ تو ہی بہترین طریقہ سے تطہیر کرنے والا ہے، تو ہی مددگار اور مالک ہے۔» (مسلم، ذکر، ۷۳)

مزید دعا فرماتے:

«اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ، پاکدامنی اور غنا کی در خواست کرتا ہوں۔» (مسلم، ذکر، ۷۲)

تقویٰ ہی کی بنا پر آپ ﷺ نے غریبوں کی طرح سادہ زندگی گزاری۔ چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں:

«نبی کریم ﷺ کے وصال تک بھی ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل بیت نے مسلسل تین دن پیٹ بھر کر سالن کے ساتھ روٹی تناول فرمائی ہو۔» (بخاری، ۲۲؛ مسلم، زہد، ۲۰-۲۲، ابن ماجہ، ۸۴)

اپنی امت کو تقویٰ کی زندگی گزارنے کی تلقین کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ فرمایا:

«لوگوں میں میرے سب سے قریب متقی ہیں جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں۔» (احمد، ۲۳۵/۷؛ ہیثمی، ۲۲/۹)

مزید ارشاد فرمایا:

«بے شک تقویٰ شعار حضرات ہی میرے دوست ہیں۔»

(ابوداؤد ، فتن، ۴۲۴۲/۱)

مزید فرمایا:

«تم جہاں بھی رہو اللہ سے ڈرتے رہو اور بُرے کام کے بعد اُس کے اثر کو زائل کرنے کے لیے فوراً نیک عمل کرو اور لوگوں کے ساتھ بہترین اخلاق سے پیش آؤ۔» (ترمذی، البر، ۱۹۸۷/۵۵)

اور نبی ﷺ نے حقیقی تقویٰ کے حصول کے بہترین طریقہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

«کوئی بندہ اس وقت تک تقوی کے رُتبہ کو نہیں پہنچ سکتا، جب تک کہ وہ مکروہ کاموں کو اس ڈر سے نہ چھوڑ دے کہ کہیں وہ اسے ناجائز کام کی طرف لے جائیں۔» (ترمذی، قیامۃ، ۲۴۵۱/۱۹؛ ابن ماجہ، زہد، ۲۴۰)

آپ ﷺ کے نزدیک کسی کو کسی پر برتری حاصل نہیں تھی آپ ہر کسی سے مساویانہ برتاؤ کرتے تھے، چنانچہ ارشادِ مبارک ہے:

«کسی عربی کو عجمی پر نہ ہی عجمی کو عربی پر، نہ کسی گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر فضیلت حاصل ہے؛ سوائے تقویٰ کے۔» (احمد، ۱۵۸/۵)

تقویٰ کی ایک عمدہ وخوبصورت تعریف ہمیں حضرت عیسیٰؑ کے اقوال سے ملتی ہے۔ ایک دفعہ ایک آدمی حضرت عیسیٰؑ کے پاس آیا اور پوچھا:

«اے بھلائی اور نیکی کے معلم مجھے ایسی بات بتائیں جس کو آپ جانتے ہیں اور میں نہیں جانتا، جو مجھے فائدہ دے اور آپ کو نقصان نہ پہنچائے۔ آپؑ نے پوچھا: «وہ کیا ہے؟» تو اس نے پوچھا: بتائیے کہ کوئی شخص خدا کے نزدیک حقیقی متقی کیسے ہوسکتاہے۔» حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: **«یہ بہت آسان ہے پہلے تم خدا سے دل کی گہرائیوں سے محبت کرو، پھر اپنی قوت وحیثت کے بقدر نیک اعمال کرو اور تمام انسانوں کے لیے ایسی ہی رحمت وشفقت محسوس کرو جیسے کہ تم اپنے لیے کرتے ہو»**۔ اس نے پوچھا: «میرے ہم جنس کون ہیں؟» آپؑ نے فرمایا: **«تمام آدم کی اولاد۔ اورجو تم خود کے لیے ناپسند کرتے ہو وہ دوسروں کو بھی نہ دو، صرف اسی صورت میں تم خدا کے یہاں حقیقی متقی ٹھہرو گے۔»**[18]

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے اُبی بن کعبؓ سے دریافت کیا:

«تقویٰ کیا ہے؟» تو اُبی بن کعبؓ نے فرمایا:

«اے امیر المؤمنین! کیا آپ کا گزر کبھی کانٹے دار راستے سے نہیں ہوا ہے؟»، حضرت عمرؓ نے جواب دیا: **«کیوں نہیں»**، فرمایا:

---

18 ۔ احمد، الزھد، لعزہ تاریخ وپبلشر کے، ص، ۵۹۔

تو آپ نے کیا طرزِ عمل اختیار کیا؟» حضرت عمرؓ نے جواب دیا:
«میں نے اپنے کپڑے سمیٹ لیے اور ہر قدم دھیان سے رکھا تاکہ کانٹوں سے بچ سکوں۔»

اُبی بن کعبؓ نے جواب دیا: **«یہی تقویٰ ہے۔»** 19

متقی حضرات، نبی کریم ﷺ کے سب سے قریب ہوتے ہیں؛ چنانچہ اس حوالے سے حضرت معاذ بن جبلؓ مندرجہ ذیل واقعہ بیان کرتے ہیں:

«مجھے یمن کا گورنر بنا کر بھیجنے کے موقع پر آپ ﷺ مدینہ کے باہر تک مجھے الوداع کرنے آئے۔ میں سواری پر تھا اور آپ ﷺ میرے ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ مجھے چند نصیحتیں کرنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

«کون جانتا ہے معاذ، ہوسکتا ہے کہ تم اس سال کے بعد مجھ سے دوبارہ ملاقات نہ کر سکو شاید تم میری اس مسجد یا میری قبر کی زیارت کرو۔» یہ الفاظ سُنتے ہی رسول اللہ ﷺ کی جدائی کے غم میں میری آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے تسلی دی اور پھر مدینہ کی طرف دیکھ کر فرمایا:

19 ابنِ کثیر، تفسیر القرآن العظم، بیروت، ۱۹۸۸م ج ۱، ۴۲۔

«لوگوں میں میرے سب سے نزدیک متقی ہیں چاہے وہ جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں۔» 20

رسول اللہ ﷺ کا زہد

ایک وقت وہ بھی آیا جب آس پاس کے علاقے کے لوگ نبی کریم ﷺ کو سردار مانتے ہوئے رضامندی سے آپ کی حکومت کے سائے تلے آگئے۔ اور آپ ﷺ نے سارے جزیرۂ عرب پر حکومت کی۔ ایسے میں آپ ﷺ عیش وعشرت کی زندگی گذار سکتے تھے، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے اپنی سادہ زندگی کو ہی بدستور جاری رکھا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے: میں اپنی ذات کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، اور فرمایا کہ ہر چیز اللہ کی قدرت اور مرضی سے ہوتی ہے۔ زمانہ نے کروٹ لی اور بے پناہ دولت آپ ﷺ کے پاس آئی، خزانوں سے لدے ہوئے قافلے مدینہ کی گلیوں میں گھومتے تھے؛ مگر آپ ﷺ تمام دولت ضرورت مندوں میں تقسیم کردیتے تھے اور خود اپنی سابقہ پرہیزگاری کی زندگی گزارتے تھے۔ آپ ﷺ اکثر فرمایا کرتے تھے:

20 ۔ احمد، ج ۵، ۲۳۵؛ ہیثمی، مجمع الزوائد، بیروت، ۱۹۸۸، ج ۹، ۲۲

«اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو تو میں قرض کے سوا تین دن سے زیادہ اس میں کوئی دینار اپنے پاس رکھنا پسند نہیں کروں گا۔» (بخاری، ۲: مسلم، زکوہ، ۳۱)

کئی کئی دن گزر جاتے تھے اور آپ ﷺ کے گھر میں کھانا پکانے کے لیے آگ تک نہ جلتی تھی۔ اکثر اوقات آپ ﷺ بھوکے پیٹ ہی سو جاتے تھے۔ (احمد، ۶/۲۱۷؛ ابن سعد، ۱/۴۰۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ رسیوں سے بنائی گئی چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں، اور آپ ﷺ کے سر مبارک کے نیچے کھجور کی چھال سے بھرا ہوا تکیہ ہے، اتنے میں کچھ اور صحابہ حاضر خدمت ہوئے، جن میں حضرت عمر بھی تھے، نبی ﷺ نے جب کروٹ لی، تو حضرت عمر کی نگاہ آپ ﷺ کے پہلو پر پڑی، کہ چٹائی پر کوئی چادر بچھی ہوئی نہ ہونے کی وجہ سے، آپ ﷺ کے پہلو مبارک پر رسیوں کے نشانات پڑ گئے ہیں، یہ منظر دیکھ کر حضرت عمر رونے لگے۔

نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا: «اے عمر! تم کیوں رو رہے ہو؟»

عمرؓ نے جواب دیا: «بخدا، قیصر وکسری کو دنیا کی اتنی نعمتیں ملیں، جب کہ آپ ﷺ اللہ تعالی کے سب سے معزز ومکرم بندے ہیں، پھر بھی آپ کی یہ حالت ہے۔»

رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«کیا تم اس پر راضی نہیں کہ ان کے لیے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت؟» حضرت عمرؓ نے عرض کیا: «بے شک» تو آپ ﷺ نے فرمایا: **«تو پھر ایسا ہی ہوگا۔»** 21

نبی ﷺ نے اپنی دنیاوی حالت کے تعلق سے ارشاد فرمایا:

«میرا دنیا سے کیا تعلق۔ اس دنیا میں میری حیثیت ایک ایسے مسافر کی سی ہے جو سخت گرمی کے دن میں چند لمحے ایک درخت کے سائے میں بیٹھتا اور پھر اپنا سفر جاری رکھتا ہے۔» 22

ایسی ہی تھی میرے نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ!

آپ ﷺ اکثر روزِقیامت میں دنیوی نعمتوں کے بارے میں حساب وکتاب سے ڈرتے ہوئے یہ دعا فرماتے:

---

21 احمد، ج ۳، ۱۳۹؛ طبرانی، المعجم الکبیر، تحقیق: حمدی عبدالمجید، بیروت، دار احیاء التراث العربی ج ۱۰، ۱۶۲

22 ترمذی، الزہد، ۴۴/۲۳۷۷؛ ابن ماجہ، الزہد، ۳؛ احمد، ج ۱، ۳۰۱۔

«اے اللہ مجھے مسکینوں کی طرح زندہ رکھ اور مسکینوں والی موت عطا فرما اور قیامت کے دن مجھے مسکینوں کے درمیان اُٹھا۔»

(ترمذی، زہد، ۲۳۵۲/۳۷؛ ابن ماجہ، زہد، ۷)

گوکہ تمام انبیاء علیھم السلام کو اللہ تعالی کی طرف سے امان اور جنت کی بشارت سے نوازا گیا ہے؛ لیکن اس کے باوجود انہیں معلوم ہے کہ تمام لوگوں کی طرح ان سے بھی سوال وجواب ہوگا، کہ فریضہ رسالت کی تبلیغ کی یا نہیں اور دنیاوی نعمتوں پر اللہ کی حمد وثناء اور اس کا شکر کتنا شکر ادا کیا، جیساکہ سورۃ الاعراف کی آیت نمبر۶ میں فرمایا گیا ہے:

فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ

(الأعراف: ٦)

«پس یہ ضرورہو کررہے گا کہ ہم باز پرس کریں گے ان لوگوں سے کہ پیغمبر بھیجے گئے جن کی طرف اور ضرور پوچھیں گے ہم پیغمبروں سے بھی۔»

زہد، تقوی اور احسان تینوں الفاظ الگ الگ ہیں؛ لیکن قریب قریب ایک ہی معنی کا فائدہ دیتے ہیں۔ ایک مشترکہ مقصد جو ان تمام الفاظ کے تصورات میں موجود ہے اور جوکہ صوفیانہ تربیت

کے اہم نکات پر بھی مشتمل ہے، وہ یہ ہے کہ **«نفس کی حیوانیت وخواہشات کو قابو کرنا»**، روح کی صلاحیتوں کی نشوونما کرنا اور اپنے دل کو **«قلب سلیم»** میں بدلنا۔ ایساہی دل خدا کی بندگی کے لیےمطلوب ہے اور قرآن کی یہ آیت بھی یہی پیغام دیتی نظرآتی ہے:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ، إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ

(الشعراء: ۸۸_۸۹)

«(یہ وہ) دن (ہوگا) جس دن نہ مال کوئی فائدہ دے گا اور نہ ہی اولاد، بجز اس کے کہ کوئی شخص قلب سلیم لیے ہوئے اللہ کے حضور حاضر ہو۔»

رسول اللہ ﷺ کی نرم مزاجی

رسول اللہ ﷺ کا قلبِ مطہر نہایت ہی حساس اور نرم تھا چنانچہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ایک شخص کوزمین پر تھوکتے ہوئے دیکھا تھا۔ آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا اور آپ ﷺ وہیں رُک گئے۔ پھر جب چند صحابہ کرام وہاں پہنچے اور انہوں نے اس جگہ پر مٹی ڈال دی تو آپ ﷺ آگے بڑھے۔

آپ ﷺ جہاں لوگوں کو مسلسل اپنے لباس کا خیال رکھنے کا حکم دیتے تھے اور لباس کی گندگی کو ناپسند فرماتے تھے ﷺ بالوں اور داڑھی کے بے ڈھنگے پن کو بھی نظر انداز نہیں کرتے تھے۔
ایک دن نبی کریم ﷺ مسجد میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک شخص مسجد میں آیا جس کے سر اور داڑھی کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اُس کی طرف اشارہ کیا جس کا مطلب تھا کہ جاکر اپنے سر اور داڑھی کے بال سنوارو۔ چنانچہ وہ شخص گیا اور بالوں کو سنوار کرآیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«کیا یہ زینت وآرائش اس سے بہتر نہیں ہے کہ آدمی کے بال شیطان کی طرح اُلجھے ہوئے ہوں۔» 23

ایک دوسرے موقع پر آپ ﷺ نے ایک آدمی کو بکھرے بالوں کے ساتھ دیکھا تو فرمایا:

«کیا اس شخص کو اپنے بال درست کرنے کا سامان دستیاب نہیں ہے؟»

ایک اور موقع پر ایک شخص کو میلے کپڑوں میں دیکھ کرآپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

23 ۔ مؤطا، الشعر،۷؛ بیہقی، شعب الایمان، بیروت، ۱۹۹۰ ، ج ۵، ۲۲۵۔

«کیا یہ اس کے پاس کپڑے دھونے کے لیے بھی پانی نہیں ہے؟» (ابوداؤد ، اللباس، ۴۰۶۲/۱۴، نسائی، الزینۃ، ٦٠)

ایک اور موقع پر جب آپ ﷺ کی موجودگی میں ایک آدمی معمولی کپڑوں میں وہاں پہنچا تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: **«کیا تم صاحب حیثیت ہو؟»** اس نے جواب دیا: ہاں، تو آپ نے فرمایا: **«تمہارے پاس کس قسم کا مال ہے۔»** تو اس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹ، بھیڑ بکرے، گھوڑے اور خچر عطا کئے ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نےاُس سے فرمایا:

«جب خدا نے تمہیں مال سے نوازا ہے تو اس کے فضل واحسان کا اثر تمہارے جسم پر ظاہر ہونا چاہیے۔» (ابوداؤد، اللباس، ۴۰۶۳/۱۴، نسائی، الزینۃ، ۵۴: احمد، ۱۴۷/۴)

اسی طرح ایک اور واقعہ میں رسول ﷺ نے فرمایا:

«اللہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے فضل واحسان کا اثر اپنے بندوں پر دیکھے۔» (ترمذی، ادب، ۱۹۲۸/۵۴، احمد، ۷۷۵۹/۲)

سرور کائنات محمد ﷺ کی ذات گرامی رحم دلی، فطرت کی پاکیزگی، نرم مزاجی اور شائستگی میں مقام بلند کی حیثیت رکھتی ہے۔

ایک اکھڑ بدو آپ ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ کو بار بار اوربُری طرح چلا کر اس طرح پکارنے لگا:

«اے محمد! اے محمد!» مگر آپ ﷺ نےاس کی اس بد تمیزی کا جواب بھی کمال نرمی و شائستگی سے دیا اور پوچھا: **«ہاں! میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟»** 24

جب آپ ﷺ کے گھر کوئی مہمان آتا تو اسی نرم مزاجی، تواضع اور بلند خوش اخلاقی کی بنا پرخود اپنے ہاتھوں سے ان کی خدمت کرتے۔ (بیہقی، شعب الایمان، ٦/٥١٨؛ ٧/٤٣٦)

بچپن میں بھی آپ ﷺ کسی کے ساتھ بے کار بحث کرتے ہوئے یا لڑتے جھگڑتے نہیں پائے گئے۔ کیونکہ آپ ﷺ خوش اخلاقی، تواضع اور شائستگی کی اعلیٰ ترین مثال تھے، آپ ﷺ نے اپنے اہل بیت کی پرورش بھی انہی اعلی ترین اخلاقی خطوط پر کی تھی۔

نواسۂ رسول ﷺ سیدنا حسن اس کی بڑی اور خوبصورت مثال ہیں:

---

24 مسلم، النذر، ٨؛ ترمذی، الزہد، ٥٠؛ احمد، ج ٤، ٢٣٩۔

ایک دفعہ سیدنا حسنؓ نے کعبہ کا طواف کیا اور دو رکعت نماز پڑھ کرمقام ابراہیم پر اپنا گال رکھ کریوں گریہ و زاری کرتے ہوئے کہنے لگے:

«اے اللہ! ایک چھوٹا اور کمزور غلام تیرے در پر حاضر ہوا ہے۔ اے اللہ! ایک ادنٰی غلام تیری دہلیز پر بھیک مانگتا ہے، اے اللہ! ایک سائل تیرے درپہ آیا ہے، اے اللہ! تیرے در کا مسکین تیرے پاس حاضر ہے» اسی طرح کچھ دیر دعا مانگنے کے بعد حضرت حسنؓ آگے چل دیئے۔ راستے میں اُن کوچند مسکینوں سے ملنے کا اتفاق ہوا، جو ایک روٹی کے ٹکڑے سے پیٹ کی آگ بجھانے کی کوشش کررہے تھے۔آپؓ نے ان کو سلام کیا توانہوں نے بدلے میں حسنؓ کو اپنے فقیرانہ کھانے پر دعوت دے دی۔ پس نبی ﷺ کے نواسے عاجزی سے اُن کے ساتھ بیٹھ گئے اور کہا:

«اگر یہ کھانا صدقے کا نہیں ہوتا تو میں تمہارے ساتھ کھانے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتا۔» پھر اُن لوگوں سے آپؓ نے فرمایا:

«چلیے، ہمارے گھر چلتے ہیں!» وہ آپ کے ساتھ آگئے۔ آپؓ نے اُن کو کھانا کھلایا اور نئے کپڑے پہنائے، اس کے علاوہ اُن کو الوداع کہنے سے پہلے کچھ درہم دینے کا حکم فرمایا۔»[25]

یہ نرمی، یہ شائستگی ومحبت انسانوں کے ساتھ خدائی رحمت وشفقت والے برتاؤ کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔

حضرت حسنؓ کا ایک اور واقعہ سنئے۔ ایک بار مدینہ کے ایک باغ کے پاس سے گزرتے ہوئے حضرت حسنؓ نے ایک سیاہ غلام کو دیکھا، اس کے ہاتھ میں ایک روٹی تھی، جس سے ایک لقمہ وہ خود کھاتا تھا اور ایک لقمہ کتے کو کھلاتا تھا، اس طرح اس نے اور کتے نے مل کر پوری روٹی ختم کی، غلام کے اس رحم دلانہ عمل میں اللہ تعالی کی صفت رحمن کا مظہر دیکھ کر حضرت حسن کو کافی تعجب ہوا، تو حسن نے اس سے سوال کیا:

تم نے کتے کے ساتھ روٹی بانٹ کر کیوں کھائی، جب کہ اس میں تمہارا کوئی فائدہ نہیں ہے؟

غلام نے جواب دیا:

25 دیکھیں: الابشیہی، المستطرف، بیروت، ۱۹۸۶ ، ج ۱، ۳۱۔

«مجھے شرم محسوس ہوئی کہ اس کتے کی آنکھیں مجھے کھاتے ہوئے ہوئے دیکھیں۔» حضرت حسن نے اس سے پوچھا:

«تم کون ہو؟» اس نے کہا: «میں ابان بن عثمان کا غلام ہوں۔» امام حسن نے اس سے پھر پوچھا: «اچھا تو یہ انگور کا باغ کس کا ہے؟»۔ غلام نے جواب دیا: «ابان کا۔» حضرت حسن کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اس غلام کے وہ مالک ہوتے؛ کیوں کہ یہ ظاہری اعتبار سے ایک معمولی غلام ہے؛ مگر حقیقت میں اللہ تعالی کا محبوب اورقریبی بندہ ہے۔

لہذا آپؓ نے اس غلام سے کہا: «میں تمھیں قسم دیتا ہوں کہ جب تک میں واپس نہ لوٹوں تم یہاں سے نہ جانا۔»

پھر آپؓ فوراً باغ کے مالک کے پاس گئے اور اس سے باغ اور غلام دونوں خرید لیے اور پھر غلام کے پاس واپس پہنچ گئے اور فرمایا:

«میں نے تمھیں خرید لیا ہے۔» یہ سن کر غلام ادب سے کھڑے ہو کر بولا:

«تو پھر اللہ، اُس کے نبی ﷺ اور میرے آقا آپ کی اطاعت وفرمانبرداری مجھ پر واجب ہوگئی۔» حضرت حسن نے غلام کی جب

یہ بات سنی تو اس راست گوئی، دلی پاکیزگی اور حسنِ نیت سے مزید متاثر ہوئے اور اعلان فرمایا:

«یہ باغ میں خرید چکا ہوں؛ لہذا تم اللہ کے لیے آزاد ہو اور باغ تمھیں ہدیہ ہے!»اس پر غلام نے برملا کہا:

«تو پھر جس کے لیے آپ نے مجھے آزاد کیا میں بھی اسی کی خاطر یہ باغ وقف کرتا ہوں۔» (ابن منظور، مختصر تاریخ دمشق، ۲۵/۷)

رسول اللہ ﷺ کا ادب اور حیا

نبی اکرم ﷺ نے بلند آواز میں کبھی بات نہیں کی۔ آپ ﷺ مسکراتے چہرے اور نرمی وشائستگی کے ساتھ لوگوں سے ملاقات کرتے۔ اگر آپ کسی شخص کے ناشائستہ الفاظ سنتے تو لوگوں کے سامنے کبھی اُس کو کچھ نہ کہتے۔ جبکہ آپ ﷺ کے چہرے کے تاثرات متواتر آپ ﷺ کی اندرونی کیفیت کو ظاہر کردیتے۔ اسی لیے لوگ آپ ﷺ کے سامنے اپنی حرکات وسکنات اور گفتگو میں محتاط رہتے۔ آپ ﷺ اپنی حیا کے باعث کبھی بلند آواز سے یا قہقہہ مار کر نہیں ہنسے۔ بلکہ آپ ﷺ صرف تبسم اور مسکراہٹ پر اکتفا فرماتے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین آپ ﷺ کی

شرم وحیا کو ان الفاظ میں بیان کرتے کہ آپ ﷺ ہمیشہ پردے میں ڈھکی ایک دوشیزہ سے بھی زیادہ شرماتے۔

آپ ﷺ نے ایک حدیث میں حیا کے بارے میں بیان فرمایا:

«حیا ایمان کا جز ہے۔» (بخاری، ایمان، ١٦)

اسی طرح ایک اور حدیث پاک میں فرمایا:

«حیا اور ایمان ہمیشہ کے ساتھی ہیں۔ ایک کے اٹھنے سے دوسرا بھی اٹھ جاتا ہے۔» (البخاری، الادب المفرد، ١٣١٣)

اور فرمایا:

«نرمی جب کسی چیز میں شامل ہوتی ہے تو اسے زینت بخشتی ہےاور جب کسی چیز سے نکل جاتی ہے تو اسے عیب دار بنادیتی ہے۔» (مسلم، البر، ٧٨؛ ابوداؤد ، جہاد، ١)

حقیقی حیا **«موت کو یاد کرنے سے»** حاصل ہوتی ہے۔ یہ دنیا کی محبت کودل سے پاک کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کو اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کی نصیحت فرماتے تھے۔

ایک دن آپ ﷺ نے صحابہ کو ایسے ہی تلقین فرماتے ہوئے کہا: **«اللہ سے حیا کیا کرو جیسے اس سے حیا کرنے کا حق ہے»**۔ صحابہ

کرام نے کہا: ہم اپنے رب سے حیا کرتے ہیں، الحمد للہ۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ایسا نہیں، بلکہ اللہ سے حیا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے سر اور اس میں جو دوسرے اعضا ہیں اوراپنے پیٹ اور اس کے اطراف جو اعضا ہیں، ان کی حفاظت کرو اور موت اور اپنے فنا ہوجانے کو یاد رکھو۔ جو آخرت کی خواہش کرے گا وہ دنیاکی زیب و زینت کو ترک کردے گا اور جس نے ایسا کیا تو گویا اس نے اپنے رب سے حیا کرنے کا حق ادا کردیا۔» (ترمذی، القیامۃ، ۲۴/۲۴۵۸)

نبی کریم ﷺ کبھی کسی کو گھور کر نہیں دیکھتے تھے۔ آپ ﷺ ہمیشہ اپنی نگاہیں نیچی رکھتے تھے۔ آپ ﷺ کی نظریں آسمان کی نسبت زمین پر زیادہ جمی رہتی تھیں۔ خلاصہ یہ کہ زیادہ تر آپ ﷺ اچٹتی نگاہ ڈالتے تھے، آپ ﷺ کی باحیا اور ممتاز شخصیت نے کبھی لوگوں کی غلطیوں اور عیوب کو اُن کے سامنے ظاہر نہیں کیا۔

جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ: جب آپ ﷺ کو کسی کی کوئی غلط بات معلوم ہوتی تو آپ ﷺ یہ نہ کہتے کہ «فلاں کا کیا حال ہے جو یہ کہتا ہے» بلکہ یوں کہا کرتے:

«اس قوم کا کیا حال ہے جو ایسے اور ایسے کہا کرتے تھے»

(ابوداؤد، ادب، ۴۷۸۸/۵)

جب رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں کسی سے کوئی غلطی ہوتی، اور آپ ﷺ اس کو تنبیہ کرنا چاہتے کہ یہ حرکت اس کی شایان شان نہیں ہے، تو آپ ﷺ حاضرین کے سامنے اس انداز سے تنبیہ فرماتے:

«میں آپ حضرات سے کیوں ایسی چیزیں سرزد ہوتی دیکھ رہاہوں؟» 26

جب نبی مکرم ﷺ کسی کو نصیحت کررہے ہوتے تو وہ شخص اس کو سننے کے لیے بیتاب اور حریص ہوتا کیونکہ نبی ﷺ غصہ نہ ہوتے اور نہ ہی مخاطب کو غمگین کرتے، یہ رحم وکرم کی اعلیٰ مثال ہے۔

مولانا جلال الدین رومیؒ جو نبوی اخلاق وآداب کے حامل تھے۔ مولانا عجیب وغریب انداز میں ایمان کے پوشیدہ حقائق کوبیان کرتے ہیں:

26 ۔ مسلم، الصلوۃ، ۱۱۹؛ ابن حبان، ۵۳۸/۴

«میری عقل نے میرے دل سے پوچھا: ایمان کیا ہے؟
تومیرے دل نے عقل کے کان میں جھک کر سرگوشی کی: ایمان ادب کا نام ہے۔»

رسول اللہ ﷺ کی شجاعت اور بہادری

رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ پاک میں کہیں بھی خوف اور پریشانی کا شائبہ تک نہیں ملتا اور رسول اللہﷺ سے زیادہ عظیم کسی بہادر کا تصور بھی نا ممکن ہے؛ کیوں کہ ہمارے رسول ﷺ ہر قسم کے حالات وحوادث کا ثابت قدمی اور صبر واستقلال سے مقابلہ کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ پر کبھی بھی خوف واضطراب کا غلبہ نہیں ہوا۔

دوران ہجرت اپنے جانی دشمنوں کے سامنے سے آپ ﷺ بلا خوف وخطر سورۃ یاسین کی یہ دو آیتیں تلاوت کرتے ہوئے اطمینان اورسکون کے ساتھ گذر گئے:

إِنَّا جَعَلْنَا فِي أَعْنَاقِهِمْ أَغْلَالًا فَهِيَ إِلَى الْأَذْقَانِ فَهُمْ مُقْمَحُونَ، وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ (یٰس:۸۔۹)

«بے شک ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دئے ہیں تووہ ان کی ٹھوڑیوں تک ہیں پس وہ سر اوپر اٹھائے ہوئے ہیں، اور

ہم نے ان کے آگے سے (بھی) ایک دیوار اور ان کے پیچھے سے (بھی) ایک دیوار بنادی ہے پھر ہم نے ان (کی آنکھوں) پر پردہ ڈال دیا ہے سو وہ کچھ نہیں دیکھتے۔»

حضرت علیؓ نبی ﷺ کا وصف بیان کرتے ہیں:

«بدر کے دن ہم اللہ کے رسول ﷺ کی پناہ لے رہے تھے، آپ ﷺ دشمن کے بہت قریب تھے، اور اس دن آپ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ لڑنے والے تھے۔» (احمد، ۶۱۹/۱)

حضرت براء نبی ﷺ کی شجاعت و بہادری کی تعریف وتوصیف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

«خدا کی قسم جب لڑائی بھڑک اٹھتی تو ہم آپ ﷺ کی پناہ لیا کرتے تھے اور ہم میں سے سب سے زیادہ بہادر وہ قرار پاتا تھا جو نبی ﷺ کے ساتھ ہوتا تھا۔» (مسلم، الجھاد، ۷۹)

اللہ کے نام کو بلند کرتے اور اسلام کی بڑائی بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ ہمیشہ میدان جنگ میں پہلی صف میں ہوتے۔ جنگ حنین کے دوران جب ابتدا میں ہی مسلمان فوج میں بے ترتیبی آگئی تو آپ ﷺ نے اس وقت بھی خود کو مضبوط اور ثابت قدم رکھا اور کمال حکمت سے دشمن کی صفوں کو درمیان سے چیرتے

ہوئے ان کے مرکزی مقام پر حملہ آور ہوئے جس سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہمت دوبارہ بندھی اور آخر کار غیبی مدد کے ذریعہ مسلمانوں نےاس جنگ کو کامیابی میں پلٹا اور فتح یاب ہوئے۔ (مسلم، جہاد، ۷۶۔۸۱)

آپ ﷺ ارشاد فرمایا کرتے:

«اللہ کی قسم! جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے، میری دلی آرزو ہے کہ میں اللہ کے راستہ میں لڑوں اور شہید ہوجاؤں، پھر لڑوں اور دوبارہ شہید ہوجاؤں اور پھر لڑوں اور پھر شہید کیا جاؤں» (مسلم، الجہاد، ۱۰۳)

رسول اللہ ﷺ کی بردباری

آپ ﷺ بہت ہی سادہ مزاجی کے حامل تھے[27] اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

«رسول اللہ ﷺ سے زیادہ اعلیٰ اخلاق پر کوئی فائز نہیں۔ جب کبھی آپ کو کوئی بھی خاندان یا دوستوں میں بلاتا تو آپ ﷺ ہمیشہ شائستگی سے اس کی بات پر **«لبیک»** کہتے۔» آپ ﷺ کے انہی

---

27 ۔ مسلم، الحج، ۱۳۷۔

اعلی اخلاق کی تعریف بیان کرتے ہوئے اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ (القلم:۴)

«اور بے شک آپ اخلاق کے اعلی مرتبہ پر فائز ہیں۔»

آپ ﷺ کی پوری حیاتِ پاک اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی ذاتی بنا پر بدلہ نہیں لیا بلکہ عادتاً آپ در گزر فرمادیا کرتے تھے۔

حضرت عائشہؓ آپ ﷺ کے بلند اخلاق ،رقیق القلبی، نرمی و شائستگی کے بارے میں میں مزید بیان کرتی ہیں:

«جہاد فی سبیل اللہ کے علاوہ آپ ﷺ نے کبھی کسی پر اپنا ہاتھ نہیں اٹھایا، نہ کسی عورت پر اور نہ ہی کسی خادم پر۔ الا یہ کہ کسی نے اللہ کی حرمتوں میں سے کسی چیز کی بے حرمتی کی ہو، توآپ ﷺ اللہ کے لیے اس سے انتقام لیتے تھے۔» (مسلم، فضائل، ۷۹)

آنحضرت ﷺ کے متعلق حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

«میں نے نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک سے پھوٹنے والی خوشبو سے بڑھ کر عنبر، مشک یا کسی اور چیز کی خوشبو نہیں سونگھی

، اور نہ ہی میں نے کبھی نبی ﷺ کے لمس مبارک سے بڑھ کر کوئی ریشم یا دیباج کو محسوس کیا ہے ۔›› حضرت ثابتؒ کہتے ہیں کہ میں نے سوال کیا:

‹‹اے ابوحمزہ! کیا آج تک آپ کو ایسا محسوس نہیں ہوتا کہ رسول ﷺ آپ کی نظروں کے سامنے ہیں اور آپ رسول اللہ ﷺ کی آواز کی نغمگی سن رہے ہیں۔››

حضرت انسؓ نے فرمایا: ‹‹بے شک! خداکی قسم میں تمنا کرتا ہوں کہ آپ ﷺ سے قیامت کے روز ملوں تو کہوں ‹‹**یارسول اللہ! آپ کاچھوٹا خادم (حاضرہے)۔**›› حضرت انس کہتے ہیں: میں نے مدینہ میں پورے دس سال آپ ﷺ کی خدمت کی ہے جبکہ میں چھوٹا بچہ تھا اور آپ ﷺ کی خواہش کے مطابق ہر کام نہ کرسکتا تھا؛ لیکن آپ ﷺ نے کبھی مجھ پرغصہ نہ کیا اور نہ کبھی ‹‹اُف›› تک کہا۔ نہ کبھی مجھ سے پوچھا ‹‹تم نے یہ کام کیوں کیا، یہ کیوں نہ کیا؟›› (احمد، ۲۲۲/۳؛ بخاری، صوم، ۵۳، مناقب، ۲۳؛ مسلم، فضائل، ۸۲)

ایک دفعہ حضور ﷺ نے ایک صحابی کی تعریف ان الفاظ میں کی:

«تمہارے اندر دو خوبیاں ہیں جواللہ تعالی کوبہت پسند ہیں، ایک بردباری اور دوسری دور اندیشی۔» (مسلم، ایمان، ۲۵۔۲۶)

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک بدو نے مسجد نبوی میں پیشاب کردیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین نے اسے ملامت کرنا شروع کردیا تو رسول ﷺ نے ان سے فرمایا:

«یہ بہتر ہے کہ تم اس شخص کواس وقت تنہا چھوڑ دو، اور اس جگہ پر ایک برتن سے پانی ڈال دو جہاں اس نے پیشاب کیا ہے۔ تمھیں آسانی پیدا کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے، مشکلات پیدا کرنے کے لیے نہیں۔» (بخاری، الادب، ۸۰، وضوء، ۶۱)

پھر حضور ﷺ نے نہایت شفقت وشیریں کلام سے اس بدو کو مسجد کے اندر داخل ہونے کے طور طریقے سکھائے اور مسجد کی اہمیت واضح کی۔

حضرت انسؓ نبی ﷺ کے حلم کے بارے میں بتاتے ہیں:

« میں حضور صلی ﷺ کے ساتھ چلا جارہا تھا اور آپ ﷺ نجران (شہر کانام) کی چادر اوڑھے ہوئے تھے جس کا کنارہ قدرے موٹا تھا۔ ایک بدو نے آپ ﷺ کو چادر سمیت زور سے کھینچا اور

میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی گردن کے موہرے پر چادر کا نشان پڑگیا۔ اس بدونے چلاتے ہوئے کہا:

«محمد! ان سے کہو کہ مجھے ان چیزوں میں سے کچھ دیں جو تمہارے اللہ نے تمھیں دے رکھی ہیں۔»

حضور ﷺ نے پیچھے مڑکر دیکھا اور مسکرائے، اور اسے دینے کا حکم فرمایا۔ (بخاری، لباس، ۸۱، خمس، ۹۱، ادب، ۸۶؛ مسلم، زکاۃ، ۲۸۱)

اللہ تعالٰی کے دین کی تبلیغ میں آپ کو جو کامیابی حاصل ہوئی وہ آپ ﷺ کے بہترین اخلاق اور اسی حلم کی برکات کی وجہ سے تھی۔ حضور ﷺ کے اخلاقِ عالیہ کو اللہ تعالی قرآن پاک میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران:۱۵۹)

«سو اللہ کی رحمت سے آپ ﷺ ان کے لیے نرم ہیں۔ اور اگر آپ ﷺ سخت کلام اور سخت دل ہوتے تو آپ ﷺ کے ارد گرد سے (وہ لوگ) بکھر جاتے۔»

اس میں کوئی شک نہیں کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ حضور ﷺ کی شرافت، نیکی، شائستگی، عفو درگزر، حلم اور بلند کردار کی

وجہ سے موم کی طرح پگھل گئے تھے۔ ان کے وحشیانہ رویے یکسر بدل چکے تھے اور وہ پروانوں کی طرح نورِ انسانیت کے گرد جمع ہوتے گئے۔ اس لیے کہ نبی ﷺ انسانیت کے لیے خسارہ کا باعث نہیں تھے، بلکہ ان کے لیے ہدایت کے طلبگار تھے آپ ﷺ زحمت اور عذاب نہیں؛ بلکہ نبی رحمت بناکر بھیجے گئے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی رحمت وشفقت

رحمت للعالمین ﷺ فرماتے ہیں:

«رحم کرنے والوں پر رحمٰن اپنا خاص رحم فرماتا ہے۔ پس تم زمین والوں سے رحم دلی سے پیش آؤ، تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔» (ترمذی، بِر،۱۶/۱۹۲۴)

احادیث میں آپ ﷺ کی شفقت اور رحمت کے سنہری واقعات جابجا بکھرے نظر آتے ہیں۔ ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ نے نماز کے دوران بچہ کے رونے کی آواز سنی تو اپنی نماز مختصر کردی تاکہ اس کی ماں کی نماز میں اس بچہ کا رونا خلل نہ ڈالدے۔ حضور ﷺ اکثر راتوں کی تنہائی میں اپنی امت کی بہتری اور بخشش کے لیے اللہ تعالی سے گڑگڑاکردعا فرمایا کرتے۔ اپنا تمام وقت لوگوں کو

جہنم سے بچانے میں صرف کرتے تھے۔ یہ تمام باتیں آپ ﷺ کی انتہائی رحمت و شفقت کو ظاہر کرتی ہیں۔

چونکہ حضور ﷺ کو تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے اور آپ کی رحمت ومحبت ہر ذی روح پر محیط ہے؛ اس لیے ایک دفعہ حضور ﷺ سے کہا گیا کہ مشرکوں کو بد دعا دیں۔ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«مجھے لعنت بھیجنے کے لیے نہیں مبعوث کیا گیا بلکہ میں تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔» (مسلم، البر، ۸۷؛ ترمذی، الدعوات، ۱۱۸)

جب آپ ﷺ اسلام کی تبلیغ کے لیے طائف تشریف لے گئے تو وہاں کے مشرکوں اور بت پرستوں نے آپ ﷺ پر پتھر برسائے۔ تو پہاڑوں کے فرشتے حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ نبی ﷺ کے پاس آئے اور انہیں سزا دینے کی تجویز دیتے ہوئے کہا:

«اگر آپ ﷺ اشارہ فرمائیں تو ان دو پہاڑوں کو آپس میں ٹکرا کر انہیں تباہ کردیں؟» لیکن رحمت للعالمین ﷺ نے ایسا کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

«نہیں! ہوسکتا ہے کہ آنے والے وقت میں اللہ ان کی نسل میں ایسے لوگ پیدا کردے جو صرف اللہ تعالی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔» (بخاری، بدء الخلق، ۷؛ مسلم، الجہاد، ۱۱۱)

اسی شہر طائف کے بنو ثقیف؛ جنھوں نے آنحضور ﷺ کی شان میں ناقابلِ بیان گستاخی کی تھی اور آپ ﷺ کو اپنے شہر سے نکال دیا تھا اور ہجرت کے نویں سال تک مسلمانوں کے لیے مسلسل پریشانی کا سبب بنتے رہے تھے، اسی بنو ثقیف کے حق میں آپ ﷺ نے مسلسل دعائیں کیں:

«اے اللہ! قبیلہ ثقیف کو ہدایت عطا فرما اور ان کو ہماری طرف بھیج دے۔» آخرکار وہ مدینہ آگئے اور اپنی مرضی سے اسلام قبول کرلیا۔ (ابن ہشام، ۱۳۴/۴، ترمذی، مناقب، ۳۹۴۲/۷۳)

اسی طرح ایک دفعہ ابواسیدؓ بحرین کے کچھ جنگی قیدیوں کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضور ﷺ نے قیدیوں میں ایک عورت کو روتے ہوئے دیکھا اور اس سے رونے کی وجہ دریافت کی۔ اس نے کہا: «میرا بیٹا بیچ دیا گیا ہے۔» تو نبی ﷺ نے ابو اسید سے کہا: **«کیا آپ نے اس کا بیٹا بیچا ہے؟»** «جی ہاں»، ابوسید نے اقرار کیا۔ **«کس کو بیچا؟»** آپ ﷺ نے

پوچھا۔ «قبیلہ عبیس میں۔» ابو اسید نے جواب دیا۔ آپ ﷺ نے فوراً حکم دیا:

«اب تم خود گھوڑے پر سوار ہو کر جاؤ اور اس کے بچے کو لے کر آؤ۔» 28

جسیا کہ اس واقعے سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی رحمت وشفقت پوری دنیا پر چھائی ہوئی تھی، آپ ﷺ نے ایک دفعہ اپنے ساتھیوں سے کہا:

«تم اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ تم ایک دوسرے سے محبت نہ کرنے لگو۔» کیا میں تمھیں نہ بتاؤں کہ تم ایک دوسرے سے محبت کیسے کر سکتے ہو؟»

«ضرور بتائیے یا رسول اللہ ﷺ» صحابہ نے جواب دیا۔

«اپنے درمیان سلام کو خوب پھیلاؤ، تم ایک دوسرے سے محبت کرنے لگوگے۔ خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے جب تک تم ایک دوسرے پر مہربان نہیں ہوجاتے اس وقت تک تم جنت میں داخل نہیں ہوسکتے۔» صحابہ نے جواب دیا۔

28 ۔ علی المتقی الھندی، کنزالعمال، بیروت، ۱۹۸۵، ۴/۱۶۷، حدیث رقم ۱۰۰۴۴۔

«اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ ہم سب مہربان ہیں» آپ ﷺ نے فرمایا

«مہربانی یہ نہیں کہ تم ایک دوسرے پر مہربانی کرو بلکہ یہ تمام مخلوق تک پھیلی ہوئی ہونی چاہیے۔ جی ہاں ساری مخلوق تک۔»

(حاکم ج،۴، ۷۳۱۰/۱۸۵)

رسول اللہ ﷺ کا عفو ودرگذر

اللہ تعالی معافی کو پسند کرتا ہے، اور اگر کوئی بندہ اپنی خطاؤں اور گناہوں پر سچے دل سے نادم ہوکر توبہ کرے تو اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اپنے بندے کی توبہ قبول کرتا ہے،کیونکہ اللہ معاف کرنے والا اور غفور ہے، اس لیے وہ اپنے بندوں کوبھی عفو درگذر اپنانے کا حکم دیتا ہے۔

معافی کے لیے یہ شرط ضرور رکھی گئی ہے کہ وہ اپنے گناہوں پر نادم ہو اور اللہ کے احکام کی اطاعت کرے اور حرام سے بچے۔دوسروں کو معاف کرنے کے سب سے شاندار اور پراثر واقعات ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ کی زندگی میں پائے جاتے ہیں۔ فتح مکہ کے واقعہ ہی کو لے لیجئے۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے ہندہؓ کو معاف فرما دیا، جبکہ انہوں نے غزوۂ احد میں (اس وقت

تک آپ مسلمان نہیں ہوئیں تھیں) آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کے کلیجے کو وحشیانہ طریقے سے دانتوں سے چبایا تھا۔

ہبارابن اسود اسلام کے بدترین دشمنوں میں سے تھا۔ جہاں اس نے مسلمانوں کونت نئے طریقوں سے بری اذیت پہنچائی وہیں اُس نے آنحضرت ﷺ کی لخت جگر حضرت زینبؓ کے اونٹ پر وار کر کے آپ کو گرادیا۔ بی بی زینبؓ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کررہی تھیں۔ گرنے سے آپ کا حمل ضائع ہوا اور آپؓ زخمی ہو گئیں۔ یہی زخم بعد میں آپ کی وفات کا سبب بنا۔ اس کے بعد بھی ہبار نے بے شمار جرائم کا ارتکاب کیا۔ فتح مکہ کے موقع پر پکڑے جانے کی کوششوں کو ناکام بناتے ہوئے ہبار بھاگ نکلے۔ بعد میں از خود نبی کریم ﷺ کی خدمت میں مدینے میں پیش ہوئے جبکہ آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ تشریف فرما تھے اور کہا:

السلام علیک یا رسول اللہ، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں،میں آپ سے فرار ہوکر ملکوں ملکوں گیا اور عجمیوں کے ساتھ مل جانے کا بھی ارادہ کیا پھر آپ کی عادت شریفہ ، آپ کا فضل و کرم، آپ کی بھلائی اور آپ کا عفو درگذر کرنا یاد آیا، اور ہم مشرک تھے

یا رسول اللہ ﷺ اللہ نے ہمیں ہدایت سے نوازا اور آپ کے ذریعہ ہمیں ہلاکت سے محفوظ فرمایا لہذا جو کچھ میں نے آپ کے ساتھ برے اعمال کئے ہیں اسے آپ میری کم علمی و جہالت سمجھ کر معاف کردیں، میں اپنی بد عملی اور جرائم کا اقرار کرتا ہوں ››تو نبی ﷺ نے فرمایا:

‹‹میں نے تمہیں معاف کیا، اللہ نے آپ کو اسلام کی ہدایت دے کر آپ کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کیا ہے اور اسلام گذشتہ گناہوں کو ختم کر دیتا ہے››

نبی ﷺ نے انہیں برا بھلا کہنے اور ان پر اعتراض کرنے سے صحابہ کو منع فرمایا۔ (واقدی، ۲/۸۵۷۔۸۵۸)

اسلام کے دوسرے بڑے دشمن **عکرمہ تھے جوکہ ابوجہل کے بیٹے تھے۔** فتح مکہ کے موقع پر وہ یمن بھاگ گئے۔ ان کی بیوی امِّ حکیمؓ نے اسلام قبول کرلیا اور وہ دانشمند عورت تھیں، چنانچہ وہ نبی کریم ﷺ سے اپنے شوہر کے لیے امان طلب کرنے پہنچ گئیں، تو آپ ﷺ نے ان کے لوٹ آنے کا حکم دیا تو وہؓ اپنے شوہر کے پاس پہنچیں اور ان سے کہا:

«میں لوگوں میں سب سے زیادہ جوڑنے والے، نیکو کار اور بہترین انسان کے پاس سے آرہی ہوں اور ان سے میں نے آپ کی امان طلب کی تو انہوں نے آپ کو امان دے دی۔» چنانچہ وہ اپنی زوجہ کے ساتھ واپس لوٹے۔ ابھی وہ مکہ کے قریب ہی پہنچے تھے کہ آنحضور ﷺ نے صحابہ کرام کو خبر دی:

«ابھی عکرمہ بن ابی جہل تمہارے سامنے ایک مؤمن اور مہاجر کی حیثیت سے آئیں گے۔ کوئی ان کے باپ کو برا بھلا نہ کہے کیونکہ مردوں کو برا بھلا کہنے سے تکلیف زندوں کو ہوتی ہے اور مردوں تک وہ پہنچتی نہیں۔» جب عکرمہ پہنچے تو نبی کریم ﷺ نے ان کا بہت خوش دلی سے استقبال کیا اور خوش آمدید کہا ۔ اور ان سے فرمایا:

«خوش آمدید اے مہاجر»[29] اور انہیں معاف فرمادیا، اور ان کے سابقہ کسی جرم کا تذکرہ تک نہیں کیا۔

رسول اللہ ﷺ اکثر اپنی دعا میں یہ کہا کرتے تھے:

«اے اللہ! میری قوم کو بخش دے کیونکہ وہ نہیں جانتے۔»

(بخاری، انبیاء، ۵۲؛ ابن ماجہ، مناسک، ۵۶؛ احمد، ۱/۴۴۱)

29 الترمذی، الاستئذان، ۳۴/۲۷۳۵

ایک اور واقعہ سنئے! **ثمامہ بن اثال** نے جو کہ یمن کے قائد تھے اسلام قبول کرنے کے بعد کہا:

«اشھد أن لا اِلٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ، اے محمد! خدا کی قسم ساری دنیا میں آپ کے چہرے سے زیادہ کوئی اور چہرہ مجھے ناپسند نہیں تھا اور اب وہی چہرہ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہوگیا ہے، خدا کی قسم آپ ﷺ کے دین سے زیادہ کوئی اور دین ناپسند نہیں تھا اور اب وہی دین مجھے سب سے زیادہ محبوب ہوگیا ہے، خدا کی قسم! میرے نزدیک آپ کے شہر سے زیادہ کوئی شہر بھیانک اور برا نہیں تھا اب وہی شہر مجھے تمام شہروں سے پیارا ہوگیا ہے، آپ کے قافلہ نے مجھے گرفتار کر لیا ہے، جبکہ میں اب عمرہ کرنا چاہتا ہوں، فیصلہ آپ کے حوالے ہے۔»

تو نبی ﷺ نے انہیں بشارت دی اور انہیں عمرہ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ جب وہ مکہ پہنچے تو کسی نے ان سے کہا: کیا تم صابی ہوگئے ہو؟ (یعنی اپنا دین چھوڑکر دوسرا دین اختیار کرلیا ہے)، تو انہوں نے کہا:

«نہیں، بلکہ میں محمد ﷺ کے دین پر ایمان لے آیا ہوں۔ خدا کی قسم! کہ جب تک رسول اللہ ﷺ اجازت نہ دیں گے

تب تک تم لوگ یمامہ سے گیہوں کا ایک دانہ بھی نہ لا پاؤگے۔»

(بخاری، مغازی، ۷۰)

تمام قریش کے سامنے اپنے ایمان کا اعلان کرتے ہوئے مکہ سے سارے کاروباری معاہدے ختم کردینے کا عندیہ دے دیا۔ بدقسمتی سے مکے والے ابھی تک اپنی تمام ضروریات زندگی کے لیے یمن پر منحصر تھے۔ اپنے آپ کو اچانک ضروریات زندگی کی کمی کا شکار پاتے ہوئے مکہ والے خوفزدہ ہوگئے اور نبی کریم ﷺ کا سہارا لینے مدینہ پہنچ گئے۔ تو ثمامہ کو خط لکھتے ہوئے پیارے نبی ﷺ نے اُنہیں نصیحت فرمائی کہ مکہ کے ساتھ اپنی تجارت جاری رکھیں۔ 30

حالانکہ مکہ کے یہ وہی بت پرست تھے جو بھول گئے کہ انہوں نے شعبِ ابی طالب میں مسلمانوں کو تین برس تک کھانا پانی سے محروم رکھا تھا اور مسلمانوں کو سخت ترین اذیتیں پہنچائی تھیں۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے ان لوگوں سے عفو ودر گذر کا معاملہ فرمایا۔

---

30 ابن عبد البر، الاستیعاب، القاھرہ، بلا تاریخ، ۲/۲۱۴-۲۱۵؛ ابن اثیر، اسدالغابۃ، القاھرہ، ۱۹۷۰، ۱، ۲۹۵۔

مزید برآں ہجرت کے ساتویں سال خیبر کی فتح کے بعد نبی اکرم ﷺ نے مکہ کے لوگوں کی پھر مدد کی جواس دفعہ پھر شدید قحط وتنگ حالی اور خوراک کی کمی کا شکار تھے۔ انہیں عمرو بن امیہ الضمری کے ذریعہ سونا بھجوایا۔ امداد کو قبول کرتے ہوئے ابوسفیان نے ضرورت مند مکہ کے لوگوں کے درمیان تقسیم کیا اور شکر گزاری سے کہا:

«اللہ ہمارے بھتیجے کو جزائے خیردے۔ بے شک وہ اپنی رحم دلی کی بنا پر بہت زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔» (یعقوبی، التاریخ، ۵۶/۲)

اس طرح طویل مدت کے بعد اہل مکہ گراں قدر نبوی فضائل سے تیار ہوکر، حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

نیز صلح حدیبیہ کے موقع پر مشرکین کے ایک قافلہ نے قتل کے ارادے سے نبیﷺ پر حملہ کیا؛ لیکن وہ سب پکڑے گئے؛ اس کے باوجود آپ ﷺ نے ان سب کو معاف فرما دیا۔ (مسلم، جھاد، ۱۳۲۔۱۳۳)

خیبر کے معرکے کے ردِّ عمل میں ایک عورت نے نبی کریم ﷺ کے کھانے میں زہر کی ملاوٹ کردی۔ جیسے ہی نبی ﷺ

گوشت کا ٹکڑا کھانے لگے، آپ ﷺ جان گئے کہ خوراک زہریلی ہے۔ اس کے باوجود کہ عورت نے اپنے مقصد کے بارے میں اقرار کرلیا؛ پھر بھی نبی پاک ﷺ نے اُسے معاف کردیا۔ (بخاری، طب، ۵۵؛ مسلم، سلام، ۴۳)

بالکل اسی طرح آپ ﷺ کو وحی کے ذریعہ علم ہوگیا کہ لبید (جوکہ ایک یہودی تھا) نے آپ ﷺ پر جادو کیا ہے۔ اور یہ جادو ہی آپ کی بے چینی اور بیماری کا سبب ہے، نیز آپ ﷺ کو اس شخص کا علم بھی ہوگیا، جس نے لبید کو جادو کرنے پر آمادہ کیا تھا، پھر بھی آپ ﷺ نے نہ صرف یہ کہ اس کی اس حرکت کا بدلہ نہیں لیا؛ بلکہ اسے معاف بھی کردیا۔ اور اس کے جرم کا ذکر بھی نہیں کیا اور نہ اس کی وجہ سے اسے قتل کیا، اور نہ ہی بنو زریق کے کسی شخص کو آپ ﷺ نے قتل کیا جو لبید کو بھیجنے والے تھے۔ 31

اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود اپنے حبیب کی تربیت ہی ایسی فرمائی تھی۔ چنانچہ اللہ اپنے پیارے نبی ﷺ سے فرماتا ہے:

31 ملاحظہ فرمائیں: ابن سعد، ج ۲/۱۹۷؛ بخاری، الطب، ۴۹-۴۷؛ مسلم، السلام، ۴۳؛ نسائی، التحریم، ۲۰؛ احمد، ۴/۳۶۷۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ

(الاعراف:۱۹۹)

«اے نبی! نرمی اور در گزر کا رویہ اختیار کیجئے، معروف کی تلقین کرتے رہئے اور جاہلوں سے الجھنے سے گریز کیجئے۔»

اللہ کے وہ نیک بندے جو نبی ﷺ کی محبت سے سرشار رہتے ہیں ان میں بھی آپ ﷺ کے عفو کا کچھ حصہ ہوتا ہے۔ وہ اس امید سے ہمیشہ عفو درگذر کا معاملہ کرتے کہ اللہ کی معافی و عفو انہیں حاصل ہوگی۔ مثلاً جب **منصور حلاج** کو سنگسار کیا جار ہاتھا، تو وہ مسلسل گڑگڑا کر یہ کہتے رہے:

«اے میرے مولا! مجھے سنگسار کرنے والوں کو مجھ سے پہلے معاف کردینا۔»

رسول اللہ ﷺ کا ہمسائیوں کے حقوق کی پاسداری

رسول اللہ ﷺ ہمیشہ پڑوسیوں کے حقوق کا خیال فرماتے تھے؛ چنانچہ اس ذیل میں آپ ﷺ نے فرمایا:

آنحضور ﷺ نے ہمسائیوں کے حقوق کا خیال رکھنے کی بے حد تاکید فرمائی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«جبرئیلؑ نے ہمسائیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی نصیحت کو اتنی مرتبہ دہرایا کہ مجھے محسوس ہوا کہ شاید ہمسائے ایک دوسرے کی وراثت میں حصّہ دار بن جائیں گے۔» (بخاری، ادب، ۲۸؛ مسلم، بر، ۱۴۰۔۱۴۱)

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«ہمسائے تین قسم کے ہیں۔ کسی کے تین حقوق ہیں، کسی کے دوحق ہیں اور کسی کا ایک۔ تین حقوق اس ہمسائے کے ہیں جو مسلمان بھی ہے اور رشتہ دار بھی۔ پہلا حق ہمسائیگی کا، دوسرا مسلمان ہونے کا اور تیسرا رشتہ داری کا۔ دو حق اس کے ہیں جو ہمسایہ بھی ہے اور مسلمان بھی اور ایک حق ایک غیر مسلم ہمسائے کا ہے۔» 32

یہی وجہ ہے کہ ہمسائیوں کی کھڑکی میں سے گھورنا، کھانے کی خوشبوسے ان کو تکلیف پہنچانا اور ایسے کاموں میں ملوث ہونا جو ان کی تکلیف کا باعث بنیں ہمسائیوں کے حقوق کی خلاف ورزی میں شامل ہیں۔

اسی لیے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

32 بیہقی،شعب الایمان،۷/۸۳؛سیوطی، الجامع الصغیر، مصر، ۱۳۲۱ھ، ۱/۱۴۶۔

«اللہ کے نزدیک بہترین ساتھی وہ ہے جو اپنے ساتھیوں کے لیے بہتر ہو، اوراللہ کی نظر میں بہترین ہمسایہ وہ ہے جو اپنے ہمسائے کے حق میں بہتر ہے۔» (ترمذی، بر، ۲۸)

اورمزید فرمایا:

«وہ شخص مومن نہیں ہے جو خود توشکم سیر ہو کر کھائے جبکہ اس کا ہمسایہ بھوکا ہو۔» (حاکم، ۱۵/۲)

رسول اللہ ﷺ حضرت ابوذرؓ کو ہدایت فرماتے تھے کہ جب کھانا پکاؤ، تو سالن میں شوربا زیادہ کردو، تاکہ اس میں سے پڑوسیوں کو بھی دو؛ چنانچہ ارشاد فرمایا:

«اے ابو ذر! جب تم شوربہ بناؤ، تو اس میں پانی کا اضافہ کرلو، اور اپنے پڑوسی کا خیال رکھو» (مسلم، بر، ۱۴۲؛ ابن ماجہ، اطعمہ،۵۸)

دوسری روایت میں ہے:

«جب تم شوربا بناؤ تو پانی زیادہ کردو اور اس میں سے اپنے پڑوسیوں کو بھی دو۔»

حالانکہ حضرت ابوذرؓ فقراء صحابہ سے میں تھے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پڑوسی کا حق ادا کرنے کے لیے غریب ہونا بھی عذر نہیں ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی ﷺ نے فرمایا:

«خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں»! وہاں پر موجود صحابہ رضوان اللہ علیھم اجمعین نے پوچھا **« کون یا رسول اللہ؟»** آپ ﷺ فرمایا: **«وہ جس کے ہمسائے اس کے شر سے محفوظ نہیں۔»** (بخاری، ادب، ۲۹؛ ترمذی، القیامہ، ۷۳)

ایک اور روایت کے مطابق: **«وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے شر سے اُس کے ہمسائے محفوظ نہیں ۔»** (مسلم، ایمان، ۷۳)

رسول اللہ ﷺ کا غریبوں کے ساتھ سلوک

غریب، یتیم، بیوا اور اجنبی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ شفقت ورعایت کا معاملہ فرماتے تھے،[33] ان کی خبرگیری کرتے اور ان کے مسائل کا خیال رکھتے تھے۔

ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ:

33 البخاری، النفقة، ۱؛ مسلم، الزھد، ۴۱-۴۲۔

«میں مہاجرین میں سے غریب لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ان میں سے بعض اپنا جسم ڈھانپنے کے لیے دوسرے کے پیچھے چھپ جارہے تھے۔ اور ان میں سے ایک ہمیں قرآن کی تلاوت کرکے سنارہا تھا۔ اسی دوران اچانک رسولِ کریم ﷺ تشریف لائے اور ایک لمحے کے لیے کھڑے ہوکر انتظار فرمایا۔ آپ ﷺ کی آمد پر تلاوت کرنے والا شخص رُک گیا۔ تب آپ ﷺ نے ہم سے خیریت دریافت کی اور پوچھاکہ:» **تم سب کیا کررہے تھے؟»** ہم نے کہا: «وہ ہمارا قاری ہے۔» وہ ہمارے سامنے قرآن پڑھ رہا ہے اور ہم اللہ کی کتاب کوسن رہے ہیں»۔ آپ ﷺ نےفرمایا: **«شکر ہے اس خدا کا جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے ہیں جن کے پاس مجھے ٹھہرنے کا حکم دیا گیا۔»**[34] پھر انتہائی انکساری کے ساتھ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان بیٹھ گئے؛ تاکہ کوئی امتیاز نہ رہے۔

34 اللہ کے اس قول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے: «وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰيهُ وَكَانَ اَمْرُهُ فُرُطًا» (الکهف، ۲۸) ترجمہ: «آپ ان لوگوں کی صحبت میں رہیں جو صبح اور شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اسکی رضامندی

پھر اپنی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اس طرح ایک دائرہ بناؤ۔ اس پر ہم سب نے آپ ﷺ کی طرف رخ کر کے حلقہ بنایا اور ابو سعید کہتے ہیں کہ: میں سمجھتا ہوں کہ ان میں سے صرف مجھے نبی ﷺ جانتے تھے۔پھر آپ ﷺ نے خوشخبری سنائی:

«اے غریب مہاجرین کے گروہ! تمہارے لیے خوشخبری ہے۔ تمہیں آخرت میں مکمل روشنی کی خوشخبری سناتا ہوں ۔ تم امیروں سے آدھا دن پہلے جنت میں داخل ہوگے۔ آدھا دن جو زمین کے پانچ سو سال کے برابر ہے۔» (ابوداؤد، علم،۱۳/۳۶۶۶)

ایک دفعہ ایک قبیلہ ننگے پیر، ننگے بدن (ناکافی لباس) کے ساتھ مدینہ پہنچا۔ بھوک سے ان کی ہڈیاں دکھائی دے رہی تھیں اور گرمی سے انکا برا حال تھا، ان کی اس فاقہ کشی وبدحالی نے حضور اکرم ﷺ کے دل پر بڑا اثر کیا۔ آپ ﷺ کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ آپ گھر گئے اور واپس تشریف لائے اور حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا پھر نماز پڑھائی۔ اور خطبہ دیا جس میں صحابہ کو اللہ کے

چاہتے ہیں اور آپ اپنی آنکھوں کو ان سے نہ ہٹائیں کہ دنیا کی زینت تلاش کرنے لگ جائیں، اور اس شخص کا کہنا نہ مانیں جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کردیا ہے اور اپنی خواہش کے تابع ہوگیا ہے اور اس کا معاملہ حد سے گذرا ہوا ہے۔

راستے میں خرچ کرنے کی ترغیب دلائی اور ان تمام فقراء کی مدد کرنے پر ابھارا تو اس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین میں سے کچھ صاحبِ استطاعت افراد نے اس مصیبت زدہ قبیلے کی مدد کی تو اس وقت آپ کا چہرہ پرسکون ہوا اور آپ نے اطمینان محسوس کیا۔ (مسلم، زکوۃ، ۶۹۔۷۰؛ احمد، ۳۵۸/۴۔۳۶۱)

حضور اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ عطاء وکرم، استقامت، سچائی، رحمت وشفقت اور رقیق القلبی جیسے جذبات سے بھری پڑی ہے۔

نبی ﷺ ام المومنین حضرت عائشہؓ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا کرتے:

«عائشہ! غریبوں کو کبھی انکار مت کرو چاہے انہیں آدھی کھجور ہی کیوں نہ ہو عطا کرنا۔ غریبوں سے محبت کرو اور ان کے قریب رہو تاکہ قیامت کے دن اللہ تمہیں اپنے قریب کرے۔» (ترمذی، زہد، ۲۳۵۲/۳۷)

عباد بن شرحبیل سے روایت ہے:

«ایک سال قحط سالی کا آیا جس میں، میں بھی مبتلا ہوا تو میں مدینہ کے ایک کھیت میں داخل ہوا۔ میں بالکل خالی ہاتھ تھا۔ میں نے کچھ اناج توڑا، تھوڑا سا کھایا اور تھوڑا سا اپنے کپڑے میں

ڈال لیا۔ اچانک نجانے کہاں سے کھیت کا مالک آگیا۔ اُس نے مجھے دبوچ لیا اور خوب پیٹا میرا کپڑا بھی مجھ سے چھین لیا۔ اور مجھے رسول ﷺ کے پاس لے آیا تو آپ ﷺ نے اس سے کہا:

«تم نے اس کو سکھایا نہیں جب کہ وہ انجان تھا نہ ہی اس کو کھانا کھلایا جب کہ وہ بھوکا تھا۔» پھر آپ ﷺ نے اس کو میرا کپڑا واپس کرنے کا حکم دیا اور اس نے مجھے ایک وسق (ایک کوئنٹل ۸۹ کلو) یا آدھا وسق کھانا بھی دیا۔» (ابوداؤد ، زہد، ۲۶۲۳/۹۳: نسائی: قضات، ۲۱)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام پہلے خطا اور جرم کے سبب کو تلاش کرتا ہے، پھر غلطیوں کی اصلاح اور گنہگاروں کو سدھارنے کی کوشش کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلامی سزائیں اس سرزنش کی طرح ہیں، جو والدین اپنے بچوں کو کرتے ہیں؛ کیونکہ اصل مقصد مجرم کو معاشرے سے دھتکارنا نہیں ہے؛ بلکہ اسی معاشرہ میں نئے سرے سے اس کو شامل کرنا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا قیدیوں اور خادموں کے ساتھ برتاؤ

آنحضور ﷺ جنگی قیدیوں کے ساتھ بھی کمال درجہ فیاضی اور رحمدلی کے ساتھ پیش آتے تھے اور اپنے صحابہ کو بھی ان سے اچھا

برتاؤ کرنے کی ترغیب دیتے۔ اس کی مثال ہمیں حضرت مصعب بن عمیرؓ کے بھائی ابو عزیز نے پیش کی۔ فرماتے ہیں:

«میں بھی جنگ بدر کے قیدیوں میں سے تھا تو رسول اللہ ﷺ نے منادی کروائی:

«قیدیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔»»

«میں جن انصار کے گروہ کے حوالے کیا گیا تھا نبی ﷺ کی اس وصیت پر عمل کرتے ہوئے وہ دن رات اپنے حصے کی روٹی مجھے دیتے اور خود صرف کھجور پر گزارہ کرتے۔ میں بہت شرمندگی کے ساتھ ان کو روٹی واپس کرنے کی ناکام کوشش کرتا لیکن وہ اُس کو ہاتھ نہ لگاتے۔» (ہیثمی، ۸۶/۶؛ ابن ہشام، ۲۸۰/۲)

حضور اکرم ﷺ نے غلامی کے فرسودہ نظام کو ختم کرنے کا ارادہ کرلیا تھا اور اس کی تکمیل کے لیے کئی عملی اقدامات کیئے۔ جب بھی موقع ملا آپ ﷺ لوگوں کو غلام آزاد کرنے پر ابھارتے اور غلام آزاد کرنے کو ایک بڑی عبادت قرار دیا اور اس کی حوصلہ افزائی کی۔ اور گناہوں کے کفارے میں غلام آزاد کرنے کو اولین مقام حاصل ہے، رسول اللہ ﷺ ہمیشہ اس کی وصیت فرماتے؛ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سب سے محبوب اور قریب ترین

دوست حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے غلاموں کو آزاد کرنے پر اپنی دولت کا بڑا حصہ خرچ کیا اور رضائے الٰہی کے لیے انہیں آزاد کیا۔

معرور بن سوید سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو ذرؓ کو مقام ربذہ میں دیکھا کہ وہ ایک جوڑا پہنے ہوئے تھے، اور ان کا غلام بھی ویسا ہی جوڑا پہنے ہوئے تھا، میں نے ان سے اس سلسلہ میں پوچھا تو کہنے لگے:

«ایک شخص سے میرا جھگڑا ہوگیا تو میں نے اس کو اس کی ماں کے بارے میں عار دلائی تو نبی ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا:

«اے ابو ذر! کیا تم نے اس کو ماں کی گالی دی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ تم ابھی تک جہالت کے دور کی پیروی کررہے ہو، تمہارے غلام تمہارے بھائی جیسے ہیں جن کو اللہ نے تمہارے قبضے میں دے رکھا ہے۔ پس جس کسی کا بھائی اس کے قبضے میں ہو اسے چاہئے کہ وہ اپنے بھائی کو اسی میں سے کھلائے جو وہ خود کھاتا ہے اور اسی میں سے پہنائے جو وہ خود پہنتا ہے۔ اور ان پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جوان کی برداشت سے زیادہ ہو اور اگر ایسا کرو تو ان کی اس میں مدد کرو۔» (بخاری، ایمان، ۲۲؛ مسلم، ایمان، ۳۸)

ایک آدمی نے اپنے غلام کی شادی اپنی ہی باندی سے کروائی اور کچھ وقت کے بعد انہیں علیحدہ ہونے کو کہا۔ ان میں سے مرد غلام نے سارا معاملہ حضور ﷺ کے گوش گزار کیا۔ آپ ﷺ نے اس کے مالک سے فرمایا:

«اے لوگو! تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ اپنے غلام کی شادی اپنی باندی سے کراتے ہو، پھر دونوں کو الگ کرنا چاہتے ہو، سنو! طلاق دینے کا حق صرف اس کو ہے، جس نے پنڈلی پکڑی ہے (یعنی شوہر)»۔ (ابن ماجہ، الطلاق ۳۱، الطبرانی الکبیر، ج۱۱، ۳۰۰)

چونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو غلاموں کے سلسلے میں سخت ذمہ داریوں کا سامنا تھا اس لیے انہوں نے غلاموں کو رکھنے کی بجائے انہیں آزاد کرنے کو ترجیح دی۔ اسی وجہ سے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پورے غلامانہ نظام کا تقریبا خاتمہ کردیا گیا جیسا کہ آج کے دور میں ہے۔ تاریخ عالم میں اسلام ہی وہ دین ہے جس نے انسانیت کو غلامی کی معاشرتی بیماری سے آزاد کروایا جو جنگوں کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوتی تھی، اسلام نے اس کے خاتمے کے لیے بڑے ٹھوس اقدامات کیئے۔

اس کے ساتھ ساتھ اسلام نے ہمیشہ اس بات کی بھی تلقین کی ہے کہ مالک اپنے غلام کو ویسا ہی کھلائے اور پہنائے جیسا کہ اپنے لیے مناسب سمجھتا ہے۔ غلام پر کام کا بوجھ برداشت سے زیادہ نہ ہو اور مالک اس کی تمام ضرورتوں کا خیال رکھے۔ اسلام نے غلاموں کو آزاد کرنے کے عمل کو مستقل طور پر اہمیت دینے کے لیے اس عمل کو مسلمانوں کے لیے نیکی اور بخشش کاذریعہ قرار دیا۔ اس عمل سے غلاموں کے حقوق وضع ہوئے جس سے غلام رکھنے کے بجائے انہیں آزاد کرنے کی حوصلہ افزائی ہوئی کیونکہ ان کے حقوق کی پاسداری کرنے کا مطلب ہی یہ تھا کہ گویا آدمی خود اپنے غلام جیسا بن جائے۔ حضور ﷺ کے آخری الفاظ اس بات پرمزید روشنی ڈالتے ہیں کہ:

«نماز اور صرف نماز کی طرف توجہ دو اور اللہ سے ڈرو ان کے معاملے میں جوتمہارے ماتحت ہیں۔» (ابوداؤد ، ادب، ۱۲۳۔۱۲۴؛ ابن ماجہ، وصایا، ۱)

اور یہ نبی ﷺ کی اپنی امت کے لیے انتہائی موثر وصیت تھی۔

پس جہاں تک حالات نے اجازت دی حضور ﷺ نے غلامی کے دروازے بند کروائے اور غلامی کے طوق میں پھنسے غلاموں

کے لیے آزادی کے دروازے کھولے۔ اور ہر موقع پر غلام باندی کو آزاد کرنے کی ترغیب دی، کیا غلامی کو ختم کرنے کا اس سے بڑا کوئی اور نمونہ ہوسکتا ہے؟

مندرجہ ذیل واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح اسلام نے غلاموں کا مرتبہ بلند کیا۔

حضرت بلال حبشیؓ جو اسلام قبول کرنے سے پہلے محض ایک غلام تھے، مسلمان ہونے کے بعد تمام مؤذنوں کے سردار بنائے گئے۔ اور حضور ﷺ نے بعد میں آنے والے مؤذنین کے لیے انہیں ایک مثالی نمونہ بنادیا۔ اس بات کا واضح ثبوت عالمِ اسلام کے آذان خانے کی دیوراوں پرآویزاں لکڑی کے وہ منقش ٹکڑے ہیں جس پر خوبصورت خطاطی میں «یا بلال الحبشی» لکھا جاتا ہے۔

اسی طرح **حضرت زید بن حارثہؓ** جو حضرت خدیجہؓ کی طرف سے حضور ﷺ کی خدمت میں ایک غلام کی حیثیت سے آئے تھے، جنہیں آپ ﷺ نے آزاد کردیا تھا آزادی پانے پرانھوں نے نبی ﷺ کے ساتھ زندگی گذاری اور عشقِ رسول کا اعلٰی نمونہ انہیں سمجھا جاتا ہے۔ ان کے بیٹے **حضرت اسامہؓ** بہت کم عمری میں ہی حضور ﷺ کی طرف سے مسلم فوج کے سپہ سالار مقرر کئے گئے۔

طارق بن زیاد کو ہی لیجیے فاتح اسپین جو کہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ایک غلام تھے، ان کو بیچا اور خریدا گیا۔ چنانچہ اسلام نے ان کو عزت اور وقار کے اعلیٰ درجے پر فائز کیا جو ان کے شرف انسانیت کے شایانِ شان تھا، جو مسلمان فوجوں کے سپہ سالار بنے۔

مختصر یہ کہ اسلام نے غلاموں کو آقا بنادیا۔ یہی وجہ تھی کہ یہ بات اسلام کی مخالفت کا سب سے پہلا سبب بھی بنی۔ حالیہ زمانہ میں منکرین اسلام کیا یہی کام نہیں کر رہے ہیں، کیا آج کے غاصب بہت سے آزاد انسانوں کو غلام نہیں بنا رہے ہیں، کیا آزادی کے نام پر معصوموں اور کمزوروں کے حقوق غصب نہیں کیے جا رہے ہیں، ان کے مادی وسائل کا ناجائز استحصال نہیں کیا جا رہا ہے، کیا جدید بے رحم نظام غلامی، جس میں موجودہ دور کے لوگ رہ رہے ہیں، جس نظام کے خوبصورت نام اور اصطلاحات میں ایسی گھن گرج ہے، جس سے کان کپکپا اٹھتے ہیں، کیا یہ جدید نظام، ماضی کے نظام غلامی سے کچھ مختلف ہے؟؟؟

لہذا کل جس اسلام نے اپنے بلند اصول وضوابط کے ذریعہ غلامی کا خاتمہ کیا تھا، انسان کی قدر وقیمت اور اس کی اہمیت کو بلند کیا،

وہی اسلام آج بھی اس بات پر قادر ہے کہ انسانیت کے موجودہ مسائل کے علاج کا جدید نسخہ پیش کرے۔

اگر انسانیت نے اس نسخہ کے علاوہ کسی دوسرے نسخہ پر عمل کیا تو وہ نفع کی اندھی محبت کے دھار دار دانتوں کے درمیان چبا دی جائے گی۔

کہاں استعمار کے مساوات کے دعوے، جو ہمیشہ کمزوروں کا خون چوستا ہے اور انہیں اپنا غلام بناتا ہے اور کہاں اسلام کے بلند اورہمہ گیر اصول، جنہیں غلاموں اور خادموں کے حوالے سے زبان نبوت نے اپنی گفتگو میں بیان فرمایا:

«جس کے ماتحت اس کا بھائی ہو، تو اسے ایسا ہی کھلاؤ جیسا تم کھاتے ہو اور ایسا ہی پہناؤ جیسا کہ تم پہنتے ہو۔» (البخاری، الایمان، ۲۲، مسلم، الایمان، ۳۷-۳۸)

یہ وہ الفاظ ہیں، جن کے ذریعہ اسلام نے ہر طرح اور ہر زمانے کے انسان کا مرتبہ بلند کیا۔

یہ حقیقت ہے کہ آج کے انسان کی نجات کا واحد راستہ وہی ہے جس کے ذریعہ قدیم زمانہ میں اسے چھٹکارا ملا تھا اور وہ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کی پیروی ہے اور اس سے وابستگی ہے؛ چنانچہ

آپ ﷺ نے لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے کے محکم قوانین وضع فرمائے ہیں اور انسان کو اس کی قدر وقمیت عطا کی ہے اور غریب یا مالدار، سردار یا رعایا، آقا یا خادم کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا ہے۔

جب ایک صحابی نے حضور ﷺ سے اس بارے میں پوچھا کہ غلاموں کو کتنی بار معاف کیاجائے، توآپ ﷺ نے تجویز کیا:

«ان کو دن بھر میں ستّر بار معاف کرو۔» (ابوداؤد، ادب، ۱۲۳۔۱۲۴؛ ترمذی، بر، ۳۱/ ۱۹۴۹)

نبی ﷺ کی رحمت وشفقت اس بحرِ بیکراں کی مانند ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں، ظرافت اور دل جوئی میں آپ ﷺ کا کوئی ہم مثال نہیں۔ اس بات پرآپ ﷺ کا یہ قول دلالت کرتا ہے:

«تم میں سے کسی کے پاس جب اس کا خادم کھانا لائے، تو تم اگران کوا پنے ساتھ بٹھا کر کھلا نہیں سکتے تو کم از کم ان کو کچھ کھانے کوضرور کہو، کیونکہ انہوں نے ہی کھانا پکانے کی گرمی اور سختی برداشت کی ہے۔» (بخاری، اطعمہ، ۵۵؛ ترمذی، اطعمہ، ۴۴)

اگر اللہ چاہے تو غلام کو آقا بنادے اور آقا کو غلام ۔ اسی لیے ہم پر واجب ہے کہ اس کا شکر ادا کریں اورغلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خواتین کے ساتھ سلوک

دورجاہلیت میں خواتین کے ساتھ بہت برا سلوک کیا جاتا اور ان کا کسی کے گھر میں پیدا ہونا سخت معیوب اور ذلت آمیز بات سمجھی جاتی تھی۔ اس ذلت سے بچنے کے لیے لوگوں نے وحشیانہ طورپراپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا شروع کردیا اور ان کے دل یہ قبیح جرم کرتے ہوئے سخت ہوگئے تھے۔ ایسا کرکے وہ خود کو اپنے خودساختہ تصور کی گئی مصیبت سے بچاتے تھے۔ ان کی اسی کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے کھول کرقرآن میں بیان کیا ہے:

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ (النحل:۵۸)

«جب ان میں سے کسی کے ہاں بیٹی کی خوشخبری سنائی جاتی ہے تواس کامنہ کالا پڑ جاتا ہے اور وہ غصے سے بھر جاتا ہے۔»

دور جاہلیت میں لوگ عورتوں اور بیٹیوں کو ان کا جائز مقام نہیں دیتے تھے، نہ صرف یہ بلکہ خواتین کومحض عیش وعشرت

کا سامان تصور کیا جاتا اور ان کے ساتھ اسی طرح معاملہ بھی کیا جاتا۔ لیکن نبی کریم ﷺ کے تشریف لانے کے بعد خواتین کے حقوق کی بنیاد رکھی گئی اور عورت معاشرے میں پاکدامنی اور فضیلت کی علامت بن گئی، اور ماں کی گود شرف وفضیلت کی نشان بن گئی۔

آپ ﷺ کی اسی مشفقانہ توجہ سے، جسے آپ ﷺ نے اپنی اس حدیث میں بیان فرمایا:

«جنّت ماں کے قدموں تلے ہے» 35 خواتین کو وہ قدر وقیمت حاصل ہوئی، جس کی وہ مستحق تھیں۔

خواتین کے تئیں رسول اللہ ﷺ کی شفقت اور نرم دلی کو واضح کرنے والی یہ کتنی خوبصورت تعبیر ہے کہ ایک دفعہ سفر کے دوران انجشہ نامی ایک غلام نے اونٹوں کو دوڑانے کے لیے باآوازِ بلند گانا شروع کردیا۔36 تو اس بات کا خیال کرتے ہوئے کہ اونٹوں کے دوڑنے سے خواتین کو جسمانی تکلیف نہ ہو، نبی ﷺ نے فرمایا:

«خبردار انجشہ! کہیں تم آبگینوں کو نہ توڑدو» (بخاری، ادب، ۹۵؛ احمد، ۱۱۷/۳)

---

35 ۔ نسائی، الجہاد، ۶۲؛ احمد، ۴۲۹/۳؛ سیوطی، ۱۲۵/۱

36 ۔ اونٹ خوبصورت آواز اور خوبصورت نغموں سے خوش ہوتے تھے اور ساربان گانے گنگنایا کرتے تھے تاکہ اونٹوں کا قافلہ جلدی آگے بڑھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک اور حدیث میں بیان فرمایا:

اے اللہ! میں دو کمزوروں کی حق تلفی سے حتی الامکان روکنے کی کوشش کرتا ہوں: یتیم اور عورتیں۔» (ابن ماجہ، ادب، ٦)

اور مزید ارشاد فرمایا:

«کسی مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنی بیوی سے اس کی کسی خصلت کی بنا پر نفرت کرے کیونکہ اس کی دوسری خصلت اسے پسند ہو سکتی ہے۔» (مسلم، الرضاع، ١٨)

حقیقتاً عورت کوئی کانٹے دار زمین نہیں ہے، جس سے بغض و عداوت کی جائے بلکہ عورت تو ایک باغ و بہار شخصیت کا نام ہے جس کا خمیر عشق و محبت سے گندھا ہوا ہے۔ اور اس کی محسوس کی جانے والی محبت اللہ کی جانب سے اس کے لیے عطیہ ہے۔ اسی سلسلہ میں ہمارے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«میرے لیے دنیا کی تین چیزیں پسندیدہ بنادی گئی ہیں: خوشبو، عورت اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی ہے۔»

(نسائی، عشرۃ النساء، ١٠؛ احمد، ١٢٨/٣، ١٩٩)

تو ہمیں چاہئے کہ ہم عورت کی شخصیت کو نظر انداز کرکے غفلت کے پردے میں نہ رہیں۔ کیوں کہ عورت اس نطفہ کی امانت گھر ہے، جس کے ذریعہ اللہ کا خلیفہ یعنی انسان دنیا میں آتا ہے۔37

37 یہ ناممکن ہے کہ ہم نبی ﷺ پر یہ تہمت باندھیں کہ آپ نے کسی بھی بیوی سے محض جنسی میلان اور شہوت رانی کے لیے شادی کی۔ آپ ﷺ نے اپنی بھرپور جوانی میں کسی بھی کنواری لڑکی سے شادی نہیں کی۔ آپ کی پہلی زوجۂ مطہرہ سیدہ خدیجہؓ ہیں جو کہ چالیس سالہ بیوہ ہیں اور آپ ﷺ نے ان کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی اور آپ نے ان کے ساتھ اپنی عمر کا بہترین عرصہ گذارا۔ ان کے انتقال کے بعد آپ ﷺ ادھیڑ عمر تک پہنچ گئے تھے۔ اور ان سب سے آپ نے پینتالیس سال کی عمر کے بعد ہی شادیاں کیں اور یہ شادیاں خود ذاتی رغبت کی وجہ سے نہیں کی گئیں؛ بلکہ یہ حکم خداوندی تھا جس کا مقصد زوجات کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنا تھا اور ان میں اکثر امہات المؤمنین جن سے نبی ﷺ نے نکاح کیا تھا وہ عمر دراز تھیں اور جن کا کوئی دیکھ ریکھ کرنے والا نہ تھا جب ان کے پاس بچے بھی تھے۔ بہرحال ہمارے نبی ﷺ کو نبوت کے اکثر اہم امور کے قیام اور اس بڑی عمر میں زوجیت کے اہم امور کی ادائیگی کی توفیق ملنا اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ وہ تمام زوجات اللہ کی جانب سے مقرر کردہ تھیں اور اس کا مقصد یہ تھا کہ پوری انسانیت تک اسلام کی تبلیغ و توصیل آسانی وسہولت سے انجام پاسکے۔ مزید معلومات کے لیے عثمان نوری طوباش، ''سیدنا محمد المصطفیٰ ﷺ'' ج ۱، ۱۴۰-۱۳۰ ملاحظہ فرمائیں۔

یہ جاننا بھی ناگزیر ہے کہ اللہ تعالی نے محبت انسان کی فطرت میں رکھی ہے اور اس فطرت اورطبیعت کو وہ مقام ومرتبہ عطا کیا ہے، جو اس بلند محبت کی صلاحیت رکھتی ہے؛ لہذا خواتین کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی محبت کوئی گھٹیا رجحان نہیں تھا، بلکہ اس کے برعکس آپ ﷺ نے خواتین کو وہ بلند قدر وقیمت عطا فرمائی ہے، جس کی وہ مستحق تھیں۔

تاریخ انسانی میں عورت کو یہ مقام صرف اسلام کی بدولت ملا ہے۔ باقی ماندہ نظاموں نے عورت کونمود ونمائش اور مادیت کے حصول کے لیے استعمال کیا اوروہ لوگ ان کے معاشی اور سماجی استحصال کی بدترین مثالیں قائم کرتے آئے ہیں۔

لہذا آج عورت کواس کے صحیح مقام پر پہنچانے کے لیے اسلامی تعلیمات کو دوبارہ اپنانا بہت ضروری ہے۔ عورت اور مرد اس دنیا میں ایک دوسرے کا عکس ہیں، جو ایک دوسرے کی تکمیل کرتے چلے آرہے ہیں۔ لیکن تکمیل کے اس عمل میں اللہ تعالی نے عورتوں کو نمایاں کردار عطا کیا ہے، یہاں تک کہ یہ چاہیں تو معاشرے کو بنادیں یا بگاڑدیں۔ اسلام نے عورت کے اس اہم کردار کو خوب اجا

گر کیا ہے اور اس کی تعلیم وتربیت پر غیر معمولی زور دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«جس شخص نے تین بیٹیوں یا بہنوں یا دو بیٹیوں یا دو بہنوں کی سرپرستی کی، انہیں اچھی تربیت سے سنوارا۔ اور ان کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتا رہا تو اس کے لیے جنت واجب فرمادی گئی ہے۔»

(ابو داود، آداب، ۱۲۰۔۱۲۱؛ ترمذی، بر، ۱۹۱۲/۱۳ پ احمد، ۹۷/۳)

حضور ﷺ نے اسی طرح ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:

«جو شخص اپنی دوبیٹیوں کی جوانی تک تعلیم وتربیت کرے وہ قیامت کے دن میرے ساتھ اس طرح ہوگا۔» آپ ﷺ نے اپنی دونوں انگلیوں کو جوڑتے ہوئے یہ مثال دی۔» (مسلم، بر، ۱۴۹؛ ترمذی، بر، ۱۹۱۴/۱۳)

اور آپ ﷺ نے ایک صالح عورت کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

«دنیا ساری ایک متاع ہے اوراس کی سب سے زیادہ نفع بخش چیز نیک اورپرہیز گار عورت ہے۔» (مسلم، رضاع، ۶۴؛ نسائی، نجاح، ۱۵؛ ابن ماجہ، نکاح، ۵)

عام طور پر یہی دیکھا گیا ہے کہ ہر بڑی اور عظیم شخصیت کے پیچھے کوئی نیک اور صالح عورت ہوتی ہے؛ چنانچہ اسلام کے شروع کے دنوں میں اُم المومنین **حضرت خدیجہؓ** حضور ﷺ کی دعوت و تبلیغ میں پہلی مدگار ہیں، جنھیں، حضور اکرم ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام تک قدر کی نگاہ سے دیکھا۔اسی طرح **سیدہ فاطمہؓ** ہیں، حضرت علیؓ کی کامیابیوں میں آپؓ کا بہت بڑا کردار ہے۔

خلاصہ یہ کہ صالح عورت اس دنیا میں ایک نہایت ہی قیمتی اثاثہ ہے۔ اس لیے حضور ﷺ نے صالح انسان کی پہچان کے لیے عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا شرط قرار دیا ہے، چنانچہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

«تم میں سب سے کامل ایمان والا شخص وہ ہے جو اخلاق کے اعتبار سے اچھاہے اور تم میں سب سے زیادہ متقی وہ ہے جوعورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے۔» (ترمذی، رضاع، ۱۱/۱۱۶۲)

ان خصوصیات کے ہوتے ہوئے، یہ انتہائی گھٹیا اور گھناؤنا عمل ہوگا کہ عورت کو محض لذت کی چیز سمجھا جائے، شہوانی خواہشات اورمادی اشیا کی طرح اس کے ساتھ معاملہ کیا جائے اور صرف جسمانی حد تک اس کے ساتھ تعلق قائم کیا جائے۔ اللہ تعالی نے خواتین کو

جوبلند خصوصیات عطا کی ہیں، ان کے ہوتے ہوئے خواتین کے بے احترامی ایک قسم کا اندھا پن ہے؛ چنانچہ آج کی مادی دنیا میں بے حجاب کرکے اشتہار کے طورپر خواتین کی تجارت کی جا رہی ہے۔

معاشرے کی حقیقی معمار اور انجینئر کی طرح عورت کی تربیت کرنا ناگزیر ہے؛ تاکہ ماں کی گود فاتحین کی تربیت کرنے والا آسمانی گہوارہ ثابت ہو، کیوں کہ اللہ تعالی نے اس دنیا میں ماں سے بڑی کوئی ہستی پیدا نہیں کی، جو حقیقی احترام اور محبت کی مستحق ہو،حقیقتاً ماں وہ ہستی ہے جس نے ایک مدت اپنے رحم میں ہمیں رکھا اور پیدائش کے بعد اپنے آغوشِ محبت میں ہمیں پروان چڑھایا، جس نے اپنی حیات کو اپنے گھر کے لیے وقف کردیا، اسی لیے اس کا احترام و محبت اور شکر تاعمر کریں تو بھی کم ہے۔

جب ہم رسول اللہ ﷺ کے جسم اطہر سے پھوٹنے والی شاندار خوشبوکو دیکھتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ روحانی گہرائی اور نرم دلی کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی محبوبیت کے پیچھے یہ خوشبوہی بڑی وجہ تھی، حتی کہ ملائکہ بھی اس پاکیزہ، معطر اور شاندار خوشبو کے دلدادہ ہیں، نیز معطر رہنا نظافت کی علامت ہے؛ کیوں کہ جس کے جسم سے پاکیزہ خوشبو آتی ہے، وہ صاف ستھرا رہتا ہے، جیسے نبی

ﷺ کا جسم اطہر ہر وقت اور ہمیشہ گلاب جیسی خوشبو سے معطر رہتا تھا، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے جسم سے ٹپکنے والے پسینہ سے بھی گلاب کی خوشبو آتی تھی۔ آپ ﷺ جب کسی بچہ کے سر پر دست مبارک پھیرتے تو لمبے عرصے تک اس کے سر سے مشک کی خوشبو آتی رہتی تھی۔

اس سلسلہ میں اعمش، ابراہیم سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ رات کے وقت بھی اپنی پاکیزہ خوشبو سے پہچان لیے جاتے تھے۔ (الدارمی، المقدمہ، ۱۰)

جہاں تک نماز کا تعلق ہے تو اسے رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا گیا ہے۔ نماز اللہ تعالی سے ملاقات کا ذریعہ ہے۔اسی لیے نماز کی ادئیگی واجب قرار دی گئی ہے کہ یہ ایسی عبادت ہے جس میں اللہ تعالی انسان کے سامنے ہوتے ہیں اور نمازی گویا اپنے رب کو دیکھ رہا ہوتا ہے اگر وہ نہ بھی دیکھے تو اللہ تو اسے دیکھ ہی رہا ہوتا ہے، اسی لیے نبی ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز قرار دی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے پیارے رسول اللہ ﷺ کو دنیا میں یتیم بناکر بھیجا تاکہ یتیمی کو ایک خاص مقام حاصل ہو سکے۔ حضور ﷺ نے یتیموں کی دیکھ بھال کی طرف خوب توجہ دلائی ہے اور آپ ﷺ ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرتے تھے۔ ان کی حفاظت اور دیکھ بھال کے بارے میں قرآن کریم میں بھی بہت سی جگہوں پرذکر آیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی کتاب حکیم میں یتیموں کے حوالے سے لوگوں کی ذمہ داری کی طرف توجہ دلاتے ہیں:

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ (الضحیٰ:۹)

«پس یتیم پر سختی کے ساتھ - پیش مت آؤ۔»

نبی ﷺ حدیثِ شریف میں ارشاد فرماتے ہیں:

«مسلمانوں میں سب سے اچھاگھر اس کا ہے جو یتیموں کے ساتھ رحمدلی سے پیش آئے اور سب سے براگھر اس کا ہے جس میں یتیم ہو اوراس کے ساتھ بدسلوکی کی جائے۔» (ابن ماجہ، ادب، ٦)۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد مبارک ہے:

«اگر کوئی شخص کسی یتیم کی کفالت کرتا ہے اسے گھر، کپڑا اور کھانا فراہم کرتا ہے، تو اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا الا یہ کہ وہ کوئی ناقابلِ معافی گناہ کردے۔» (ترمذی، البر، ۱۴/۱۹۱۷)

مزید ارشاد ہے:

«اگر کوئی شخص (اللہ تعالی کی خوشنودی کے لیے) کسی یتیم کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرے تو جس حد تک اس نے سر پر ہاتھ پھیرا ہے اس کے ہر بال کے برابراسے ثواب ملے گا اور جس نے اپنے پاس موجود یتیم بچی یا یتیم بچہ کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو میں اور وہ جنت میں اس طرح ہوں گے «اور آپ ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کو الگ کرکے بتایا۔» (احمد، ۵/۲۵۰)

رسول اللہ ﷺ معاشرہ کے نرم دل حضرات کو اصرار اور سختی کے ساتھ یتیموں کے حوالے سے ان کی معاشرتی ذمہ داری پوری کرنے کی تاکید فرماتے تھے:

«میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ایسے قریب ہوں گے ۔» (بخاری، ۲/۲۶۳،۳۸۷)

نیز نبی ﷺ نے اس صحابی کو یہ وصیت کی جنہوں نے بارگاہِ رسالت میں اپنی سخت دلی کی شکایت کی:

«اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا دل نرم ہو جائے تو مسکین کو کھانا کھلاؤ اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرو»

حضور ﷺ رحمدلی اور ہمدردی میں سب سے نمایاں تھے اور آپ نے دوسروں کو بھی اس بات کی بڑی ترغیب دی جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

«میں ہر مومن سے اس کی ذات سے بھی زیادہ قریب ہوں، لہذا جس نے اپنے بعد مال چھوڑا، تو وہ مال اس کے وارثوں کا ہے اور جو قرض یا اولاد چھوڑ کر جائے تو دونوں کی ذمہ داری میرے اوپر ہے۔» (مسلم، جمعہ، ۴۳؛ ابن ماجہ، مقدمہ، ۷)

رسول اللہ ﷺ کا جانوروں کے ساتھ حسنِ سلوک

حضور ﷺ کے ہر عمل کی بنیاد رحمدلی پر تھی۔ آپ ﷺ ہر مخلوق کے ساتھ شفقت اور مہربانی سے پیش آتے اور ان کی ضروریات کو پورا کرتے ، رحمت کے اس وسیع سمندر میں ایک حصہ جانوروں کا بھی تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں کئی وجوہات کی بنا پر جانوروں کے ساتھ بے رحمی کا معاملہ کیا جاتا تھا، جیتے جاگتے جانوروں کا گوشت بے رحمی کے ساتھ نوچ کر کھایا جاتا، ان کے درمیان لڑائیوں کے مقابلے کروائے جاتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان

تمام صورتوں کو ضمیر اور فطرتِ سلیمہ کے منافی ہونے کی وجہ سے ان چیزوں سے منع فرمادیا۔

«ابو واقد لیثی سے روایت کرتے ہیں:

جب نبی ﷺ مدینہ ہجرت کرکے پہنچے، اس وقت مدینے کے لوگ زندہ اونٹ کی کوہان اور زندہ بھیڑ کی چکتی کو کاٹ کر کھایا کرتے تھے ۔ چنانچہ نبی ﷺ نے اس عمل سے منع کردیا اور فرمایا:

«جوکچھ زندہ جانوروں سے کاٹا گیا ہے وہ مردار کی طرح ہے اور کھانے کے قابل نہیں ہے۔» (ترمذی، صید، احمد، ۱۲/۱۴۸۰)

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ نے راستے میں ایک گدھا دیکھا جس کا منہ داغا گیا تھا اور وہ بے چین تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«کیا مجھے اس سے نہیں روکا گیا ہے، ایسی حرکت کرنے والے پراللہ کی لعنت ہو۔» اور آپ ﷺ نے چہرے پر مارنے سے منع فرمایا۔(بخاری، ذبائح، ۲۵)

عبد الرحمٰن بن عبد اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

ہم لوگ رسول ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے، آپ ﷺ اپنی حاجت کے لیے تشریف لے گئے تو ہم لوگوں نے حمرہ نامی

ایک پرندہ اور اس کے ساتھ چوزے دیکھے تو ہم نے اس پرندے کے چوزوں کو پکڑ لیا، جس پر وہ پرندہ پھڑ پھڑانے لگا، جب نبی ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ہدایت دی:

«اس چڑیا کو اس کے بچے کی وجہ سے کس نے تکلیف پہنچائی، اس کا بچہ اسے واپس کرو۔» اور ایک مرتبہ چیونٹیوں کے بلوں کو دیکھا جس کو ہم نے جلادیا تھا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«یہ کس نے جلایاہے؟» صحابہ نے عرض کی: «ہم نے۔»

آپ ﷺ نے فرمایا:

«آگ سے عذاب دینے کا حق صرف آگ پیدا کرنے والے رب کو ہے۔» (ابوداؤد ، جہاد، ۱۶۳۔ ۱۶۴/۲۶۷۵؛ ادب، ۱۶۳۔۱۶۴/۵۲۶۸)

آپ ﷺ ایک مرتبہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کے ساتھ مدینے سے احرام کی حالت میں سفر پر نکلے اور مقام اثایۃ کے قریب انہوں نے ایک ہرن کو دیکھا جو درخت کے سائے میں سورہا تھا۔ **آپ ﷺ نے ایک صحابی کو اس کے پاس مقرر فرمایا تاکہ کوئی اسے خوفزدہ نہ کردے۔** (موطا،الحاج، ۷۹؛ نسائی ،الحاج،۷۸)

آپ ﷺ فتحِ مکہ کے موقع پر دس ہزار صحابہ کی فوج لے کرمکہ کی طرف روانہ ہوئے کہ راستے میں آپ نے ایک کتیا دیکھی

جوکہ لڑکھڑاتی اپنے بچوں کودودھ پلارہی تھی۔ آپ نے فوراً جُعیل بن سراقہ کو بلا یا **اور ہدایت کی کہ ان کتوں کی حفاظت کرو۔ اور فوج کوہدایت دی کہ بچوں اور ماں کو نقصان پہنچانے سے گریز کیا جائے۔** (واقدری، ۲/۸۰۴)

آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ایک اونٹ کو دیکھا، نامناسب غذاکی وجہ سے جس کا پیٹ پیٹھ کو لگ گیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«ان جانوروں کے معاملے میں خداسے ڈرو اور ان پر اچھے انداز میں سواری کرو اور انہیں اچھی غذا فراہم کرو۔» (ابوداؤد ، جہاد، ۲۵۴۸/۴۴)

حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ کہتے ہیں: میں ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ کے پیچھے سوار تھا کہ ہم ایک باغ میں داخل ہوئے جوکہ ایک انصاری کا تھا۔ وہاں آپ ﷺ نے ایک اونٹ دیکھا، وہ اونٹ آپ ﷺ کے پاس آیا اور آپ کے قدموں میں لوٹنے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ آپ ﷺ نے اس کے کان کے پیچھے اپنا دستِ مبارک پھیرا تو وہ خاموش ہوا۔ تب آپ نے پوچھا:

«اس کا مالک کون ہے؟» ایک انصاری نوجوان نے کہا «یہ میرا اونٹ ہے۔» آپ ﷺ نے فرمایا:

«کیا تم اس جانور کے متعلق اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے۔ اس نے مجھ سے تمہاری شکایت کی ہے کہ تم اس کو کھانا نہیں دیتے اور کام بہت لیتے ہو۔» (ابوداؤد، جھاد، ۲۵۴۹/۴۴)

ایک اور موقع پر حضور ﷺ نے چلتے ہوئے ایک ایسا گروہ دیکھا جو چلتے ہوئے جانوروں پر کھڑے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں نصیحت فرمائی:

«اپنے جانوروں پر سوار ہوتے وقت احتیاط برتو، ان کو زیادہ تکلیف نہ دو اور جب تم ان سے کام نہیں لے رہے ہو تو ان کو ستانے کا موقع دو، ان پر بیٹھ کر باتوں میں مشغول نہ رہو۔ کبھی کبھار جانور سوار سے بہتر ہوتا ہے اور اللہ کو زیادہ یاد کرتا ہے۔»

(احمد، ج، ۴۳۹/۳)

حضور ﷺ نے ایک اور موقع پر ایک آدمی کو دیکھا، جو بھیڑ کو ذبح کرنے جا رہا تھا۔ وہ شخص بھیڑ کو زمین پر لٹانے کے بعد چھری کو تیز کرنے لگا، تو حضور ﷺ نے فرمایا:

«کیاتم جانور کوایک سے زیادہ بارمارنا چاہتے ہو۔ بھیڑ کوزمین پر رکھنے سے پہلے چھری کو کیوں تیز نہیں کر لیتے۔» (حاکم، ۲۵۷/۴، ۲۶۰، ۲۶۰)

حضرت ابنِ مسعودؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: ایک مرتبہ آپ ﷺ نے صحابہ اکرام رضوان اللہ علیھم اجمعین سے پوچھا «کیا میں تمھیں ان کے بارے میں بتادوں جن پر جہنم کی آگ حرام ہے؟» صحابہ نے فرمایا: «بالکل بتائیے»۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «ان لوگوں پرجو تمام مخلوقات کے ساتھ تواضع برتنے والے، نرم خو، رحمدل، مہربان اور شفقت کرنے والے ہیں۔» (ابن حبان، صحیح، ۲۱۶/۲، ۴۷۰؛ احمد، ۴۱۵/۱)

آنحضور ﷺ نے رحمدل لوگوں اور سخت دل لوگوں کے مرتبہ کے بارے میں بیان فرمایا:

«ایک آدمی ایک بار صحرا سے گزررہا تھا کہ اسے شدید پیاس لگی۔ ایک کنویں میں اترا اور پانی پی کراس نے ایک کتے کو صحرا میں دیکھا جو پیاس کی شدت سے ریت کوچاٹ رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ یہ بھی ویسا ہی پیاسا ہوگا جیسے میں پیاسا تھا۔ کتے پرترس کھاتے ہوئے وہ دوبارہ کنویں میں اترا اور اپنے موزے کو پانی سے بھرا اور

اسے اپنے منہ میں لٹکائے اوپر چڑھا اور کتے کی پیاس بجھائی۔ پس اللہ تعالی نے اس کے گناہوں کو معاف فرمادیا۔»

صحابہ نے فرمایا: «یارسول اللہ! کیا ہمیں جانوروں پر بھی اجر ملے گا۔» آپ ﷺ نے فرمایا:

ہر جاندار (کی دیکھ بھال) پر ہمارے لیے اجر ہے۔» (بخاری، مساقاۃ، ١٠)

اسی طرح ایک عورت کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«ایک عورت تھی جو اپنی بلی کو فاقے میں رکھتی تھی، یہاں تک کہ وہ اپنی بلی کو کیڑے مکوڑے پکڑ کر کھانے سے بھی روکتی تھی اور آخرکار وہ بلی فاقے کی وجہ سے مرگئی اور وہ عورت جہنم بھیج دی گئی۔» (بخاری، انبیاء، ۵۴؛ مسلم، سلام، ۱۵۱، ۱۵۴، بر، ۱۳۳؛ نسائی، کسوف، ۱۴)

ان سنہری تعلیمات کے ذریعے رسول اللہ ﷺ نے جہالت سے بھرے معاشرے کو ایک نہایت مختصر مدّت میں بہترین معاشرہ اور اپنے دور کو خیر القرون میں تبدیل کردیا۔ یہاں تک کہ جو لوگ اپنی بیٹیوں تک کو زندہ درگور کردیا کرتے تھے وہ اب حیوانوں پر بھی حدد رجہ رحمدل ہوگئے۔

اس لیے کہ نبی کریم ﷺ ان کے لیے بہترین نمونہ تھے، جن کے اعلیٰ کردار کا یہ حال تھا کہ ایک چھوٹی سی چڑیا کے حقوق تک کا خیال آپ ﷺ نے فرمایا۔ اور صحابہ کرام کے اندر ناقابل بیان حساسیت اور نرمی پیدا فرمادی، حد تو یہ کہ جب نبی ﷺ نے سانپ اور بچھو کو مارنے کا حکم دیا تو تاکید کی کہ انہیں ایک ضرب میں ماردیا جائے تاکہ ایک سے زائد بار انہیں تکلیف نہ ہو، اس سلسلہ میں حدیث میں ہے:

«جوکوئی چھپکلی کو ایک وار میں مارے گا اس کے لیے اتنا اجر ہے، لیکن جودو وار میں مارے گا اس کے لیے اتنا اجر ہے جو پہلے والے سے کم ہے اور جو اُسے اس سے زیادہ دفعہ میں مارے گا اس کے لیے اس سے بھی کم اجر ہے جودوسرے والے کا ہے۔» (مسلم، سلم، ۱۴۷؛ ابوداؤد ، ادب، ۱۶۳۔۵۲۶۳/۱۶۲، صید، ۱۴۸۲/۱۴)

بے شک آپ ﷺ کی رحمدلی تمام مخلوق سے وابستہ تھی یہاں تک کہ سانپ اور بچھو جیسے مؤذی اور واجب القتل جانوروں کو مارتے ہوئے بھی نرمی اختیار کرنے کا حکم دیا۔ کیا یہ سب ایک نبی ﷺ کے سینۂ مبارک میں موجود شفقت و رحمت کا اعلیٰ نمونہ نہیں جس تک پہنچنا ایک عام انسان کے لیے مشکل ضرور ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اعلیٰ اخلاق اور خدمت گزاری کی خصوصیات کے مالک ہونے کے باوجود کبھی مدح سرائی کو پسند نہیں فرمایا۔ آپ ﷺ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ نعمتوں کو یوں عاجزی کے ساتھ بیان فرماتے، **«لافخر» (کوئی خودستائی نہیں)۔**

(ترمذی، مناقب،۱؛ ابن ماجہ، زہد، ۳۷؛ احمد، ۵/۱، ۲۸۱)

تعریف اور مدح سرائی انسان کے اندر تکبر پیدا کرتی ہے۔ اور انسان کی سرکشی کے اسباب میں سے کبر و غرور بھی ایک سبب ہے۔ حالانکہ آپ ﷺ تمام مخلوقات میں افضل تھے اور اللہ تعالیٰ نے خود آپ کی مدح کی ہے پھر بھی آپ ﷺ اپنے بارے میں فرماتے:

«حد سے زیادہ میری تعریف مت کرو، جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کی حد سے زیادہ تعریف کی، بلکہ میں تو اس کا بندہ ہوں، تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔» (بخاری، انبیاء، ۴۸؛ احمد، ۲۳/۱)

حقیقتاً بندگی کی خاصیت ہر انسان میں موجود ہوتی ہے، اب اس پر منحصر ہے کہ وہ اپنے آپ کو منافع اور خواہشات کا غلام بناتا ہے یا خود کو اپنے رب کا غلام بناتا ہے۔ تو جو اپنے رب کا غلام بن

گیا تو اللہ خواہشاتِ نفسانیہ اور منافع کا غلام بننے سے اس کو محفوظ کردیتا ہے اور وہ اس سے نجات پالیتا ہے۔

ہمارے آقا محمد مصطفی ﷺ نے زندگی کے مختلف شعبوں میں کسی بھی قسم کی کمی یا عدم توازن نہیں ظاہر کیا اور تاریخ نبی اکرم ﷺ کی شخصیت کی طرح کوئی دوسری مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ممکن ہے کہ ہم معاشرے میں ایسے لوگوں کو دیکھیں جو کسی ایک میدان میں ماہر ہوں جبکہ نبی اکرم ﷺ کی ذات ہی وہ واحد نمونہ ہے، جو زندگی کے ہر پہلو میں فائق ہے۔

حاصل یہ کہ آج تک پوری انسانی تاریخ میں نبی ﷺ کی شخصیت اپنی تمام ذاتی خصوصیات اور پہلوؤں کے اعتبار سے رفعت وبلندی کے اعلی درجات پر فائز ایک استثنائی اور مثالی شخصیت تھی۔

غرض رسول اللہ ﷺ نے عبادات، معاملات اور اخلاق کی صورت میں انسانیت کو بیش بہا تحفوں سے نوازا ہے۔ مختصراً آپ ﷺ نے انسانیت کو ایسے مادی اور معنوی جمالیات دی ہیں جن کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

اسی لیے نبی ﷺ کی ذات ہمیشہ کے لیے رہبر کامل کی حیثیت رکھتی ہے، آپ ﷺ نے اپنی فراست سے اس ذمہ داری کا ادراک کر لیا تھا کہ دنیا کے سامنے آپ ﷺ کو ایک مثالی شخصیت کے طور پر پیش ہونا ہے۔

ہم یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو تمام چیزوں سے زیادہ نماز سے خاص دل چسپی تھی، اسی لیے رات کا بہت کم وقت سونے کے لیے مختص تھا جبکہ اپنے جسم اطہر کو آرام دہ بستر سے دور رکھتے تھے۔ جب ہر کوئی مزے کی نیند سے لطف اندوز ہوتا، اس وقت آپ ﷺ آنسوؤں سے خدا کے حضور سر بسجود التجا کررہے ہوتے۔ اپنے آخری ایام میں بھی شدید علالت کے باوجود آپ اپنے حجرۂ مبارکہ سے نکل کر ﷺ مسجد تشریف لاتے اور نماز باجماعت ادا کرتے۔

عبد اللہ ابن الشخیرؓ نبی کریم ﷺ کی نماز کے دوران خشوع کو یوں بیان فرماتے ہیں:

«ایک مرتبہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا۔ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کی گریہ وزاری کی شدت سے آپ

کے سینہ انور سے ایسی آوازیں آرہی تھیں جیسے کسی ہانڈی میں کھانا پکنے کی آواز آتی ہے۔» (ابوداؤد، صلاہ، ۱۵۶۔۱۵۷/۹۰۴؛ نسائی، سہو، ۱۸۰)

رمضان المبارک کے استثناء کے ساتھ کوئی مہینہ یا کوئی ہفتہ ایسا نہیں تھا، جس میں آپ ﷺ نفلی روزے نہ رکھتے ہوں، اسی کے متعلق اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

«آپ ﷺ لگاتار اتنے روزے رکھتے کہ ہمیں گمان ہوتا کہ آپ اب افطار نہ کریں گے اور اس تسلسل کے ساتھ افطار کرتے کہ ہمیں گمان ہوتا کہ اب آپ روزہ نہ رکھیں گے۔» (بخاری، صوم، ۵۳)

آپ ﷺ ہمیشہ ہر مہینے کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ کو روزہ رکھتے تھے۔ اور ماہِ شوال کے چھ روزے رکھتے، اور محرم کی نو یا دس یا دس یا گیارہ تاریخ کو بھی روزے رکھتے یہ بھی آپ ﷺ کی عادت تھی کہ ہر ہفتہ پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے۔

آیتِ زکاۃ کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے خیر کے کاموں کے لیے مؤمنین کو زکوٰۃ ادا کرنے اور انفاق کا حکم فرمایا لیکن سب سے پہلے اس عمل میں خود سب سے زیادہ شریک رہے اور انفاق فی سبیل اللہ کی بہترین مثالیں پیش کیں۔ اور اللہ کے اس قول کے مطابق زندگی گذاری۔ جس میں فرمایا گیا ہے:

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ (سورۃ البقرۃ:۳)

«جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں جو رزق ہم نے انہیں فراہم کیا ہے، اس سے خیرات کرتے ہیں۔» آپ ﷺ ہمیشہ اس مال کی تعریف کرتے تھے جو خیرات کے طور پر دیا جاتا تھا اور فی سبیل اللہ خیرات کرنے والے متقی تاجروں کی بھی تعریف کیا کرتے تھے۔

ستاروں سے زیادہ بلند وبالا معیارات

آپ ﷺ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی دنیا کی کوئی چیز ذخیرہ نہیں کی۔ جو کچھ بھی آپ ﷺ کے پاس ہوتا اللہ کی راہ میں دے دیتے۔ اور آپ ﷺ کی یہ صفت آپ ﷺ کے ساتھ ہی خاص تھی، چنانچہ جلیل القدر صحابی حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں:

«میں نبی ﷺ کے ساتھ مدینہ سے باہر مقام حرہ میں چہل قدمی کر رہا تھا۔ احد کا پہاڑ ہمیں ایک فاصلے سے نظر آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«ابوذر»، میں نے جواب دیا»

حاضر ہوں یا رسول اللہ»۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو تو مجھے یہ بات اچھی نہیں لگے گی کہ اس میں سے میرے پاس ایک دینار بھی تین دن سے زیادہ رہے سوائے اس کے کہ جو میں اپنے قرض کی ادائیگی کے لیے سنبھال کر رکھ لوں، اس کے سوا جتنا کچھ بھی ہو

میں اسے اللہ کے بندوں میں اس طرح اور اس طرح تقسیم کردوں ۔» دائیں سے بائیں سے اور پیچھے سے (یعنی آپ ﷺ نے تینوں طرف اشارہ فرمایا) پھر آپ ﷺ چل دیے اور فرمایا:

«زیادہ مال و دولت والے ہی روزِ قیامت (اجر و ثواب میں) بہت کم ہوں گے ، ما سوا اس شخص کے جس نے مال کو اس طرح اور اس طرح اور اس طرح اپنے دائیں، بائیں اور پیچھے خرچ کیا ہوگا، لیکن ایسا کرنے والے کم ہی ہوں گے۔» (بخاری، استقراض،۳؛ مسلم، زکوۃ،۳۲)

آپ ﷺ کبھی کبھار دو یا تین دن بغیر وقفے کے اور بغیر کچھ کھائے پیے روزہ رکھتے تھے۔ جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین نے اس سلسلے میں آپ ﷺ کی پیروی کرنی چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا: **«مسلسل روزے نہ رکھو»** تو انہوں نے کہا: «آپ مسلسل روزے رکھ رہے ہیں» تو آپ ﷺ نے فرمایا: **«میں تم میں سے کسی کی طرح نہیں ہوں بلکہ مجھے (میرے رب کی طرف سے) کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔»** رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو شفقتاً صوم وصال سے منع فرمایا۔ (بخاری، صوم، ۴۸)

یہاں پر ایک مسئلہ کی وضاحت کرنا ضروری ہے وہ یہ کہ ہمیں نہ صرف اس حقیقت کا اقرار کرنا چاہیئے کہ آپ ﷺ ہمارے لیے ممتاز نمونہ ہیں؛ بلکہ آپ ﷺ کی اقتدا کے ضوابط کا جاننا بھی ہمارے لیے بہت ضروری ہے۔

اس لیے کہ آپ ﷺ کے معاملات وافعال کی دو قسمیں ہیں:

۱) وہ جو صرف آپ ﷺ کی ذات کے ساتھ خاص ہیں۔

۲) وہ احوال وافعال جس میں پوری امت شامل ہے۔

وہ تمام اعمال جو رسول اللہ ﷺ کی ذات کے ساتھ خاص ہیں ان میں ہم اس بات کے پابند نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کریں۔ کیونکہ وہ بلند افعال واحوال ستاروں سے بھی زیادہ بلند معیارات کے قبیل سے ہیں اور ان احوال تک رسائی تو دور ان کے تصور کی بھی ہمارے اندر طاقت نہیں، اور دوسری قسم کے معاملات واحوال اور باتیں ہم ان کی تقلید اور اتباع کر سکتے ہیں، اپنی صلاحیت، طاقت اور محنت کے بقدر ان کی روشنی میں چل سکتے ہیں۔

حالانکہ کوئی بھی انسان آپ کے اعلیٰ درجہ تک نہیں پہنچ سکتا مگر ہر شخص آپ ﷺ کی اطاعت کرتے ہوئے آپ ﷺ کے

طریقوں کو اپنی عادت بناتے ہوئے اپنی دنیا میں ایک چھوٹے معیار کا «**محمد**» بن سکتا ہے۔

ترکی فوج کے بہادر سپاہیوں کو عثمانیوں نے «**محیمد**» (چھوٹا محمد) یعنی «**محمدی فوج**» کا جو لقب دیا تھا وہ اسی تصویر کی لطیف پیرائے میں عکاسی کرتا ہے۔

ہمیں یہ نہیں فراموش کرنا چاہیے کہ ہم اپنے مال کی مقدار کو جان کر، اس کے حساب سے فریضہ زکاۃ کو انجام دے سکتے ہیں، لیکن اللہ تعالی نے ہمیں جتنے وسائل اور صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں، ان کے بدلے ہمیں فریضہ کی ادائیگی کے لیے کتنا عمل کرنا چاہیے، اسے جاننا ہماری استطاعت سے باہر ہے؛ لہذا ہم اپنی زندگی کے آخری سانس تک اس بات کے پابند ہیں کہ اللہ تعالی کی بندگی والی زندگی گزارتے رہیں۔

اس حوالے سے اپنی حالت کا اندازہ لگانے کے لیے ہمارے پاس انصار ومہاجرین صحابہ کی شکل میں بہترین معیار اور میزان موجود ہے، جن کی تعلیم وتربیت درس گاہ نبوت میں ہوئی، جنھوں نے اللہ تعالی کی نعمتوں کے شکر کی ادائیگی کے لیے چین وسمرقند تک کے اسفار کیے اوردین وایمان کی نشر واشاعت کی کوشش اور جذبہ میں کبھی ان کی طرف سے اکتاہٹ، تکان یا سستی کا اظہار تک نہیں ہوا۔

حصہ سوم

- ❖ رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں دل کی اصلاح
- ❖ محبت اور تعلق کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اتباع
- ❖ زمانہ سعادت: رسول ﷺ کے اخلاق ومحبت کا عکس
- ❖ رسول ﷺ سے والہانہ محبت کے چند نغمے
- ❖ رسول ﷺ کی ذات مبارکہ کے لیے درورد وسلام کا نذرانہ

رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں دل کی اصلاح

رسول اللہ ﷺ کے اسوہّ حسنہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین نے ایک مرتب صورت میں استفادہ کیا۔ صحابہ کرامؓ کے اخلاقِ عالیہ اپنانے کے لیے ہمارے لیے سب سے پہلے دل کی درستگی ضروری ہے۔ تاکہ وہ چیز واقعی ہمیں حاصل ہوجائے، اسی لیے تو آیتِ کریمہ میں اسوہ حسنہ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (الاحزاب:۲۱)

«بے شک تمھارے لیے رسول اللہ (کی ذات میں) بہترین نمونہ ہے اُس کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتاہو، اور اللہ کو بہت یاد کرے۔»

آیت کریمہ وضاحت کرتی ہے اللہ تعالی اور آخرت سے ملنے کی امید اور کثرت سے اللہ تعالی کا ذکر، یہ دونوں چیزیں اہم مرحلے کی

حیثیت رکھتی ہیں، رسول اللہ ﷺ کی مثالی شخصیت کو نمونہ بنانے کے لیے ان کو اختیار کرنا ضروری ہے۔

عبادات اپنے محدود اور معین وقت پر ادا کی جاتی ہیں؛ لیکن ایمان کی ایک دائمی شکل میں حفاظت بہت ضروری ہے۔ اسی لیے ہمارا ہرلمحہ اللہ پر ایمان کا حق ادا کرنے اور اس کی رضا حاصل کرنے میں صرف ہو، اسی لیے اس معاملہ میں شرط لگائی گئ ہے کہ مؤمن ہمیشہ ذکر کی حالت میں رہے تاکہ اس کا دل کمزور نہ ہو اور وہ شیطانی و نفسانی وساوس کے خلاف صف آراء ہوسکے۔ اور اللہ عزّ وجلّ کو ایک لمحہ کے لیے بھی فراموش نہ کریں اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں ارشاد فرمایا۔:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا 38

«اے ایمان والو! اللہ کوکثرت سے یاد کرو۔»

اس لیے کہ یہ آیت ذکر الٰهی کے اعداد وشمار متعین نہیں کرتی اور اللہ نے عدد وشمار کے ساتھ ذکر کو محدود نہیں کیا ہے۔ چنانچہ ہر مطلق حکم کمال کے ساتھ ہی مکمل ہوتا ہے،39 تو ان

---

38 ۔ الاحزاب،۴۱، سورہ جمعہ ،کی آتیں ۱۰ دیکھیں۔

39 ہر وہ کام جس کی حد ومقدار مذکور نہیں ہوتی اس سے اس کی انتہاء تک پہنچنا مقصود ہوتا ہے، اور اس کی آخری حد تک ادئیگی کی جانب اشارہ ہوتا ہے۔

حالات میں جو کامل بندہ بننا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ وہ بقدرِ استطاعت ہر لمحہ ہر گھڑی اللہ کا ذکر کثرت سے کرے۔

ایک دوسری آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (الرعد:۲۷-۲۸)

«وہ لوگ جو ایمان لائے اور جن کے دل اللہ کی یاد سے اطمینان حاصل کرتے ہیں، سنو! اللہ کی یاد سے ہی دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔»

یہاں «اللہ کی یاد» سے مراد معنی پر دھیان دیے بغیر صرف زبان سے لفظ کا تکرار کردینا نہیں ہے؛ بلکہ اللہ کے ذکر کا اس دل میں جم جانا ضروری ہے جو تمام احساسات کا مرکز ہے اسی وقت وہ اللہ کے ذکر کی لذت سے لطف اندوز ہوسکتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب ذکر الہی مؤمن کے دل میں سرایت کرجاتا ہے تو اس سے دل کے سارے امراض دور ہوجاتے ہیں اور ذکر دل کو آلودگی اور زنگ سے پاک کرتا ہے اور روشنی سے منور کرتاہے اور وہ رقیق القلبی واحساس کی دولت سے مالا مال ہوجاتا ہے جس کے بعد وہ اللہ کے اسرار ورموز جاننے کے لیے بے تاب ہوجاتا ہے۔ جب

کہ دل کی دھڑکنیں «اللہ» کے نام سے ہم آہنگ ہو جاتی ہیں تو بندے کی نیت اور اعمال کا انداز ہی یکسر بدل جاتا ہے اور یہ اعمال بلندی وقدر حاصل کرتے ہیں اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اللہ کے ذکر سے محبت، اللہ سے محبت کی علامت ہے۔»

(البیہقی، شعب، ا، ۳۶۷، السیوطی، ج، ۲، ص ۵۲)

عاشق کبھی بھی اپنے محبوب کی یاد ترک نہیں کرتے۔ ہمیشہ ان کا ذکر کرتے ہیں اور ان کی یاد کو اپنے زبان وقلوب سے محو نہیں ہونے دیتے۔ جو ایمان کی حلاوت چکھنا چاہتا ہے اسے ذکر، قلبی اور اور ہر حال میں اللہ کے ذکر کو اپنانا چاہیئے: چاہے کھڑا ہو، بیٹھا ہو سویا ہوا ہو اور مزید ا آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے پیچھے کارفرما بے شمار مخفی اور دقیق حکمتوں کے بارے میں غوروخوض بھی کرے۔ اور بندے یہ کہیں:

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ

(آل عمران:۱۹۱)

«پروردگار! یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے، توپاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے۔ پس اے رب! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔»

اللہ کو ایسے دلوں کی کوئی ضرورت نہیں جو اس کے ذکر سے عاری ہوں۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت سے واضح ہے:

فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ أُولَئِكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ (الزمر:۲۲)

«تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دل اللہ کی نصیحت سے سخت ہوگئے۔ وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔»

جیساکہ آیت سے واضح ہے کہ جو بھی انسان ذکرالٰہی سے دور ہوا گویا اس نے اپنا احساس اوراپنی انسانی خاصیت ہی کھودی۔

الغرض بندے کو رسول ﷺ کی پیروی کرنی چاہئے اور ان کی ذاتِ مبارکہ سے اسی طرح استفادہ کرنا چاہئے جیسا کہ آپ ﷺ ہم سے محبت وامید رکھتے ہیں۔ اور اس کے لیے ضروری ہے کہ دل کو اللہ کے ذکر سے آراستہ کیا جائے اور نفس کی خواہشات اور دنیا کے سازو سامان سے خود کو علیحدہ کرلے اور خود کو اللہ کے ذکر سے سنوارے اور آخرت میں اس کی مغفرت کا امیدوار بن کر زندگی بسر کرے۔

محبت و تعلق کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اتباع

نبی ﷺ سے حقیقی عشق و محبت کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ آپ ﷺ کی راہ کی مٹی سروں کا تاج بن جائے اور دل اور روح کی گہرائی سے آپ ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جائے؛ کیوں کہ رسول اکرم ﷺ کی شخصیت تمام انسانیت کے لیے زندگی کے ہر پہلو میں باعثِ رحمت ہے۔

رسول اکرم ﷺ خود مومنوں کے لیے کس قدر محبت اور رحمت کے جذبات رکھتے تھے اس کا اندازہ اس آیت سے ہوتا ہے۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ (التوبہ:١٢٨)

«دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایک رسول آئے ہیں جو تم میں سے ہیں، تمہارا نقصان میں پڑنا ان پر شاق گزرتا ہے، تمہاری فلاح کے وہ حریص ہیں، ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہیں۔»

ذیل میں بیان کردہ حدیث رسول اللہ ﷺ کی اپنی امت کے ساتھ رحمت وشفقت کا اس طرح اظہار کرتی ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں:

نبی ﷺ نے ہمیں ایک مہینہ قبل ہی اپنی وفات کی اطلاع دے دی تھی؛ لہذا جب وقت فراق قریب آیا، توہم اماں عائشہ کے گھر میں جمع ہوئے، پھر ہماری طرف دیکھ کر آپ ﷺ کی آنکھیں بھر آئیں اور آپ نے شدت سے روتے ہوئے یہ دعائیں دیں:

«مؤمنوں! تم خوش رہو، اللہ تمھیں سلامتی کے ساتھ رکھے، تمھارے اوپر رحم کرے، تمھیں ٹھکانہ عطا کرے، تمھارا مددگار بنے، تمھیں بلندیوں پر پہنچائے، تمھیں خوب منافع عطا کرے، تمھاری رہنمائی کرے، تمھیں روزی عطا کرے، تمھیں اپنی حفاظت میں رکھے اور تمھارے اعمال قبول کرے۔ میں تمھیں تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اور میں تمھارے لیے اللہ سے دعا کرتا ہوں اور اپنے بعد اللہ تعالی کو تمھارا خلیفہ بناتا ہوں۔۔۔۔۔» 40

رحمت عالم ﷺ ہدایت کاچراغ اور رحم دلی کا مظہر تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے قول وفعل اور اخلاقِ عالیہ سے مزین زندگی سے

40 طبرانی، اوسط، ۲۰۸/۴؛ ابونعیم، حلیۃ الاولیاء، بیروت، ۱۹۶۷، ۱۶۸/۴۔

تمام بنی نوع انسان کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ رسول ﷺ نے دعوت کی راہ میں بڑی مشقتوں کا سامنا کیا۔ آپ ﷺ کاشوق اور جذبہ اپنی امت کی فلاح کے لیے نہایت غیر معمولی تھا۔ اسی طرح آپ کو اپنی امت کے لیے اتنا دکھ تھا کہ کبھی کبھار تو خود کو ہلکان کرلیا کرتے تھے تو اللہ نے آپ کو خبردار کیا کہ آپ ﷺ اپنے آپ کو ہلاک مت کریں۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا (الکھف:٦)

«(اے محمد ﷺ) شاید آپ ان کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان کھودینے والے ہیں اگریہ اس تعلیم پر ایمان نہ لائے۔»

ایک اور آیت میں ارشاد فرمایا:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ (الشعراء:٣)

«(اے محمد ﷺ) شاید آپ اس غم میں اپنی جان کھودیں گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔»

یہ آیات مبارکہ رسول اللہ ﷺ کا امت سے محبت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی حقیقی خواہش تھی کہ دنیا میں بسنے

والا ہر انسان اللہ کی وحدانیت پرایمان لائے اور اپنے آپ کو جہنم کے عذاب سے بچائے۔

امت کے تئیں رسول اللہ ﷺ کی وسیع محبت، رحم دلی اور شفقت کے سامنے، ایک امتی ہونے کی حیثیت سے ہمارے لیے یہ غور کرنا ضروری ہے کہ ہم اس محبت کے بدلہ کیا کر سکتے ہیں۔؟

حقیقت میں نبی ﷺ سے ہماری محبت کا پیمانہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہی ہے، ہم اپنے حال کو آپ ﷺ کی کیفیت میں تبدیل کرلیں تو بات بنے گی، کہ کس طرح صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کو جان لیا اور آپ ﷺ سے ایسی محبت کی کہ آپ ﷺ کے لیے ہر چیز نچھاور کردی؟ کس طرح انہوں نے اپنی حالت کو رسول اکرم ﷺ کی حالت میں تبدیل کرلیا؟ اور کس طرح آپ ﷺ کے اخلاق، آپ ﷺ کی زندگی میں منعکس ہونے لگے؟ ہمارے حالات ایسے کہاں ہیں؟ تو ہم پر لازم ہے کہ ہم نبی ﷺ کے تئیں اپنی محبت و عقیدت کو ان پیمانوں کی کسوٹی پر پرکھیں اور اپنے قلوب کو آپ ﷺ کے اخلاق سے مزین کریں۔ اور اپنے آپ کو گناہوں اور خطاؤں کی گندگی سے پاک و صاف کرکے آپ کے کریمانہ اخلاق کو اپنائیں، جس طرح ہم آپِ

زم زم سے اپنے جسموں کو صاف کرتے ہیں اور ہم آپ ﷺ کی اقتدا کرتے ہوئے زندگی گذاریں۔

اللہ سے محبت اور اس تک رسائی کا رازقرآن اور سنت رسول ﷺ کی پیروی ہی میں پوشیدہ ہے، یعنی نبی ﷺ کے بلند اخلاق اور سیرت کی اتباع میں۔ نیز یہ راز اس میں بھی پوشیدہ ہے کہ ہم ہر اس شخص سے اظہار محبت کریں جواللہ اوررسول اللہ ﷺ سے محبت کرتا ہے اور ہر اس شخص سے بغض رکھیں جو اللہ اور رسول ﷺ کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

محبتِ الٰہی دلوں کو زندگی دیتی ہے اور اس کے لیے عافیت کا سامان کرکے خیر پر قائم رہنے میں مدد کرتی ہے۔ محبت اور نفرت ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ایک ہی دل میں محبت اور نفرت تویکجا نہیں ہوسکتے؛ لیکن جو دل ان میں سے کسی ایک سے خالی ہوتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ اور ان دو ضدوں میں اعلیٰ علیین اور اسفل سافلین کی طرح لامحدود مسافت کا فرق ہے

ترکی کے مشہور شاعر **کمال ادیب کُرکچو اوغلی** نے غافل مؤمنین اور سنتِ رسول اور آپ ﷺ کی محبت سے دور رہنے والوں کو تنبیہ کرتے ہوئے کیا خوب اشعار کہے ہیں:

«ہائے افسوس، ہائے افسوس! اس پر جو ان کی شفقت سے دور ہوکر رہ رہا ہے، اس نے اپنی غفلت سے دونوں جہان کا نقصان کرلیا۔

ہاں واقعی اس پر افسوس ہے جو نبی ﷺ کی محبت سے محروم ہے اور وہ دنیا و آخرت کا خسارہ اٹھانے والے غافلین میں سے ہوگیا۔

اللہ ہمیں نبی ﷺ کی محبت سے سرشار امت بنا اس لیے کہ آپ ﷺ رحمت و شفقت کا وہ افق ہیں جن تک کوئی نہیں پہنچ سکتا ۔

اس امت کے تئیں آپ ﷺ کی قربانیاں کتنی عظیم ہیں، جن کی دعوت اور ہدایت کے لیے آپ ﷺ نے بے پناہ محنت ومشقت برداشت کی، اسی نے آپ ﷺ کی تحقیر کی، آپ ﷺ کو پتھروں سے مارا، پھر بھی آپ ﷺ نے ان کے لیے خیر کی دعا کی، کبھی بددعا نہیں کی، چنانچہ حضرت زید بن حارثہ نے ایک موقع پر آپ ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! «آپ ان لوگوں کے لیے دعائیں کررہے ہیں جنہوں نے آپ ﷺ پر حد سے زیادہ ظلم کیا۔

جیسا کہ آپ ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ آپ ان کو دعوت و اصلاح کی جانب بلاتے اس لیے کہ آپ ﷺ کو نبی رحمت بناکر بھیجا گیا تھا لوگوں کو ہلاکت کی بد دعائیں کرنے کے لیے نہیں۔

کیا کسی نے اب تک بلند و بالا ایثار و قربانی، انوکھی وفا، دل کی پاکیزگی اور رحمت وشفقت کا ایسا پیکر کہیں دیکھا ہے!

رسول اکرم ﷺ کی آمد کے ساتھ ہی تمام بنی نوعِ انساں کو عالم بالا تک لے جانے والے رہبر کامل مل گیا، جس کے وہ منتظر تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی جلیل القدر اور مثالی شخصیت کو پانے کے بعد شہوانی زندگی گزارنے والے لوگوں پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے بنسبت ان لوگوں کے جنھوں نے رسول اکرم ﷺ کی آمد سے پہلے اپنی زندگیاں جہالت میں گزاردیں کیونکہ اب ہمارے پاس آپ ﷺ کا مثالی نمونہ موجود ہے۔

حالیہ دور میں انسانیت ایسی نفس پرستی کے ساتھ زندگی گزاررہی ہے جو طاقت و قوت کی طرف مائل ہے، چنانچہ ایسے دور میں نبی ﷺ کی شخصیت کے مشابہ مثالی شخصیات کو وجود میں لانا بہت ضروری ہے۔

اور حقیتاً ہماری تاریخ کے وہ عظیم ادوار گذر گئے جس میں مؤمنین اور صالحین کا وجود تھا جو حقیقی معنوں میں نبی ﷺ اکرم وعالی مقام کے وارثین تھے۔ انہوں نے اپنے دور کے معاشرے کے لیے مثالیں قائم کی تھیں۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے جو ہمیں غمزدہ کردیتی ہے جب ہم اپنے اطراف میں امت کو مادیت پرستی کی طرف مائل اور خسارہ اٹھاتے ہوئے دیکھتے ہیں اور یہ سب ان صالحین و نیکوکاروں کی کمی کی وجہ سے جس کے بارے میں ہم نے اوپر بیان کیا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کواپنائیں اور وہ روش اختیار کریں جو صحابہ کرام نے رسول اکرم ﷺ کے معاملے میں اختیار کی تھی یعنی آپ ﷺ سے محبت اور آپ ﷺ کی پیروی۔ اور ان کے دل وجدان وغیرت سے بھرے ہوئے تھے ۔ اور ایسی اعلیٰ مثالی شخصیات سے ہماری تاریخ بھری پڑی ہے اسی لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم انہیں سمجھیں، سنیں انہیں محسوس کریں اور ان کے قلبی احساس کی دنیا میں سے کچھ حصہ ہمیں بھی نصیب ہو۔

اسی لیے یہ جاننا اشد ضروری ہے کہ انہوں نے اس فانی دنیا میں کیسے زندگی گذاری، اور انہوں نے اپنی اور ساری انسانیت کے لیے سعادت کے راستے ہموار کرنے کے لیے اللہ کی دی ہوئی نعمتوں جیسے عقل و سمجھ اور روح واموال کو کس طرح استعمال کیا۔

سعادت کا عہد[41]:

رسول ﷺ کے اخلاق و محبت کا آئینہ

حضور اکرم ﷺ کی باطنی تاثیر اور ظاہری تربیت اس جاہل و گمراہ کن اور وحشی معاشرے کے لیے اکسیر ثابت ہوی، جس نے انسانیت کی بنیادوں سے ناواقف لوگوں کو یکسر بدل ڈالا، جس کی وجہ سے وہ قلیل عرصہ میں ترقی کی ایسی شاہراہ پر گامزن ہوگئے جس کا تصور بھی ممکن نہیں جو سب ایک مذہب و شریعت، ایک جھنڈے، قانون، ثقافت، حکومت اور ایک تہذیب کے نیچے متحد ہوگئے پھر اس طرح کہ صحابہ کہلائے کہ آج بھی انسانیت ان پر رشک کرتی ہے۔

اس تربیت نے ان جاہل لوگوں کو تہذیب یافتہ، سرکش و وحشی قاتلوں کو صالح شہریوں میں تبدیل کردیا، اسی طرح مجرمین وکم

41 عصر سعادت یا سعادت کے عہد سے مراد یہاں پر نبی کریم ﷺ اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا دور ہے۔

عقلوں کو ایسے متقی و پرہیزگاروں میں تبدیل کردیا جو صالح انسان اور اللہ سے محبت کرنے والے اور اس سے ڈرنے والے بن گئے۔

اس جاہل معاشرہ میں ایسے بلند اخلاق لوگوں کی ایک بڑی تعداد وجود میں آئی، جنہوں نے نبی ﷺ کی روحانی تربیت کے زیرِ سایہ علم کے جام نوش کئے تھے۔ حالانکہ یہ معاشرہ کئی صدیوں تک ایک قابل قدر انسان بنانے کا بھی اہل نہ تھا۔ انہوں نے اپنی کسبِ فیض سے انحاء عالم میں علم وعرفان کے چراغ روشن کئے۔ نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کے زیرِ سایہ کبھی نہ ختم ہونے والی وہ روشنی جو صحرا میں اتری اس نے سچائی، انصاف اور ہدایت پوری انسانیت کو عطا کی۔ گویاکہ **«لولاک»**[42] کا راز عیاں ہوا اور کائنات کی تخلیق کی وجہ پوری ہوگئی۔

عصرالسعادہ (جسے سعادت و رحمت کازمانہ کہا جاتا ہے) کے لوگ نبی کریم ﷺ کی رہنمائی میں پروان چڑھے، اور ایک تعلیم یافتہ معاشرہ وجود میں آیا۔ یہ وہ وقت تھا جب لوگ اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول ﷺ کو قریب سے جاننے لگے اور اپنے تصورات

42 اس حدیث پر غور کریں جو اس حقیقت کی تعبیر ہے "اگر آپ نہ ہوتے تو میں افلاک کی تخلیق نہ کرتا: الحاکم، ج ۲، ۴۲۲۸/۶۷۲

میں توحید کو مرکز مان کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین بتوں اور دنیاوی خواہشات سے چھٹکارا پانے میں کامیاب ہوئے، ایمان کی لذت سے سرشار ہوئے، مال وجان ان کے نزدیک مقصد نہیں؛ بلکہ وسیلہ کی حیثیت سے رہے، انہوں نے رحمت کو عام کیا اور ان کے دلوں میں ایمان کا جذبہ اور زیادہ پختہ ہوگیا۔ انہوں نے اپنی زندگی کو دوسروں کی خدمت کے لیے وقف کردیا اور اس کے لیے بڑی بڑی قربانیاں پیش کیں۔ اور ایسا مثالی نمونہ پیش کیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ نبی ﷺ کی حدیث کے الفاظ سننے کے لیے لوگ مہینوں کا سفر کرتے۔ جلیل القدر محدث نبی کریم ﷺ کی حدیث سُنے بغیر صرف اس لیے لوٹ گئے کہ جو بندہ حدیث کا گواہ تھا وہ گھوڑے کو دھوکا دے رہا تھا۔ انہوں نے یہ خیال کیا کہ جو شخص ایک گھوڑے کو دھوکا دے رہا ہے، اس کی بات آنحضور ﷺ کے بارے میں کس طرح مان لی جائے۔

سوال یہ ہے کہ صحابہ کرام نے رحمت للعالمین ﷺ سے کیا حاصل کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے دو چیزیں حاصل کیں:

۱) عکس (یعنی انہوں نے اپنے حال کو نبی کریم ﷺ کے حال میں تبدیل کرلیا تھا)

۲) اللہ تعالیٰ کا قرب۔

ان دو چیزوں کے سائے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شر وباطل کی تمام برائیوں سے پاک ہوتے گئے، اور اپنے قلوب کو اللہ تعالیٰ کے جمال اور ہر خیر سے مزین کرلیا۔ اور ان کے سامنے اللہ کی ذات، کائنات اور خود اپنے تعلق سے ایک نیا مفہوم واضح ہوا۔ جیسا کہ کسی چھوٹے سے شیشہ پر آفتاب کا عکس پڑتا ہے اسی طرح ان کے احوال نبی ﷺ کے احوال کے مشابہ ہوگئے اور یہی ان کا مقصد زندگی رہا۔

مدینہ ایک چھوٹی سی مسلم ریاست تھی جہاں تقریباً ۴۰۰ خاندان رہتے تھے، مگردس سال کے کم عرصے میں یہ ریاست عراق اور فلسطین تک پھیل گئی۔ نبی ﷺ کی وفات کے وقت مسلمانوں کی روم و ایران کے ساتھ جنگ جاری تھی۔ لیکن انہوں نے اپنے آپ کوعیش وعشرت، لالچ، شوکت اور فضول خرچی سے مسلسل باز رکھا اور ایسے ہی رہے جیسا کہ وہ حیاتِ نبی ﷺ میں دس سال پہلے تھے۔ ان کی زندگی میں عبادت اور سادگی برقرار رہی، صحابہ کا

معاشرہ عیش وعشرت، حرص اور فضولی خرچی جیسے طرز زندگی سے بالکل نا بلد تھا اور انھوں نے یہ بات ذہن نشین کرلی کہ ‹‹اس زندگی کی اصل منزل کل قبر ہوگی›› اسی لیے انھوں نے دنیا کی نعمتوں اور حد سے زیادہ چیزوں کے استعمال سے کنارہ کشی کرلی، وہ ان نعمتوں کو ایمان کی اشاعت اور لذتوں کو انسانی ہدایت و سعادت کا وسیلہ سمجھتے ہوئے استعمال کرتے تھے۔

مظلوم و بے بس اور استعماری معاشرہ میں دن کی روشنی کی طرح دینِ اسلام کے تیزی سے پھیلنے کی ایک وجہ صحابہ کرام کا وہ کھرا کردار تھا جسے انھوں نے اپنی زندگیوں میں مجسم کرلیا تھا، جو ان کے ساتھ دنیا کے ہر خطے میں رہا۔ صحابہ کرام حضور ﷺ کے شاگرد تھے، اور ممتاز مؤمنین، عابد و زاہد، صدق وعدل، غنائے قلب، نورِ رسالت سے متصف تھے اسی لیے انھوں نے اللہ کی مخلوق کو خالق کی نظر سے شفقت و رحمت کے ساتھ دیکھا۔

ان کی دوستی کا مرکز صرف اللہ جلّ جلالہ اور اس کے رسول ﷺ تھے اور اس طرح یہ جاہل اور ان پڑھ معاشرہ جو نہ لکھنا جانتا تھا اور نہ ہی پڑھنا وہ تہذیب و تمدن کی بلندیوں پر پہنچ گیا تھا۔ان کے دلوں سے ہمیشہ یہ ندا آتی تھی کہ ‹‹**اللہ تعالی ہم سے**

کیاچاہتا ہے؟ اللہ ہم سے کیسے راضی ہوگا اور اللہ کے رسول ﷺ ہمیں کیسا دیکھنا چاہتے ہیں؟

ان مبارک ہستیوں نے ایک دور اور ایک زمانہ کی تاسیس کی اور انسانیت کو عصر السعادۃ سے نوازا۔

یہ صحابہ برائی پر آمادہ کرنے والے نفس (نفسِ امارہ بالسوء) کے شر سے محفوظ ہوگئے اور اپنے نفوس کو ہمیشہ خود سے سوال و تحقیق کرنے والا اور ملامت کرنے والا بنادیا، اور یہ وحشی بدو انسان ملائکہ کی طرح بن گئے۔

امام قرافی (متوفی ۶۸۴ ہجری) جوکہ علماء اصول میں سے ایک عالم اور فقیہ تھے لکھتے ہیں:

«رسول ﷺ کا کوئی اور معجزہ نہ بھی ہوتا تو صرف صحابہ کرام کی تعلیم و تربیت کا معجزہ ہی آپ ﷺ کے اللہ کے رسول ہونے کے لیے کافی تھا۔» صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآن کریم کے معجزہ ہونے کی زندہ مثال تھے، اور وہ دانائی، قابلیت اور تمام انسانی اقدار کی معراج پاگئے۔

اُنہوں نے اس دور میں اپنے دل وعقل کے مطالبات کو متوازن کرتے ہوئے زندگی گذاری اور درجۂ کمال کو پہنچے، وہ ہوش وحواس

کے ساتھ محبت کے جذبات کوزندہ رکھ کے سوچ کو بہت گہرائی تک لے گئے۔ وہ دنیا میں اس سوچ کے ساتھ زندہ رہتے کہ یہ دارالامتحان ہے۔ اور ان کے دل قدرت کے چشموں سے اور عظمتِ الٰہی سے سیراب ہوگئے۔

اسی لیے امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کے مقصد سے سمرقند، چین اور اندلس کے اسفار کیے۔ وہ جاہل معاشرہ ایسے افراد کا معاشرہ بن گیا، جن سے دوسرے حقیقت کا ادراک اور معرفت کی سچائی جاننے لگے۔ ان کے نزدیک راتیں دنوں میں بدل گئیں، سردیاں بہار میں، ان کے سوچنے کا ڈھنگ بدل گیا اور انہوں نے اپنے اطراف و اکناف میں غور و فکر کرنا شروع کردیا کہ کیسے انسانی جسم قطرۂ آب سے وجود میں آیا، پرندے کا ایک چھوٹے انڈے سے نکلنا، مردہ بیج سے ایک درخت کا نشونما پانا، اور ایسی ہی بہت سی باتوں پر وہ غور و فکر کرنے لگے۔ اور انہوں نے اپنی زندگی کی ترتیب و تنظیم اللہ کی رضا و خوشنودی کے لیے کرلی، پیار، محبت، رحم کے جذبات اور سچائی اتنی وسعت سے پھیل گئی کہ پہلے کبھی نہ دیکھی گئی تھی۔

وہ لمحات جن میں توحید کا پیغام ہر ذی نفس تک پہنچا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیوں کے بہت پیارے اور خوبصورت لمحات تھے۔

ایک مشہور صحابی نے ایک بار ایک ایسے بدنصیب کا بھی شکریہ ادا کیا جس نے انہیں قتل کرنے سے پہلے تین لمحے کی مہلت دی تھی۔ تو انہوں نے رشک کے انداز میں کہا: «**تمہیں دعوت پہنچانے کے لیے اللہ تعالی نے مجھے تین لمحے دیے ہیں**»، حالانکہ وہ جانی دشمن کے سامنے کھڑے تھے۔

مختصراً، صحابہ قرآن کے ساتھ اور اس کی خاطر جئے انہوں نے اپنی زندگیاں اس مقدس کتاب کے لیے وقف کردیں۔ انہوں نے ایسا جذبہ اور فنائیت کا مظاہرہ کیا، جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ ہر قسم کی اذیتیں اور ظلم برداشت کئے لیکن اپنے ایمان پر قائم رہے۔ اللہ نے جو آیتیں نازل کیں ان کو زندہ رکھنے کے لیے ہجرت کی، اپنے گھربار اور ساز وسامان کو چھوڑا۔ اور اس راستہ میں ہر چیز کی قربانی دی۔

وہ ہمیشہ قرآن کی تعلیم کے حصول کی تگ ودو میں رہتے۔ حالات چاہے کتنے ہی پر خطر کیوں نہ ہوں وہ قرآن کو نہ چھوڑتے۔ نبی ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں یہ حضرت عباد بن بشرؓ تھے:

رسول اللہ ﷺ نے ایک جگہ پڑاؤ کیا اور دریافت کیا: **«آج کی رات ہمارا پہرہ کون دے گا»**، مہاجرین میں سے ایک شخص (عمار بن یاسر) اور انصار میں سے ایک شخص (عباد بن بشر) کھڑے ہوئے اور کہا: «ہم پہریداری کریں گے یا رسول اللہ»۔ آپ نے فرمایا: **«وادی کے سرے پر چلے جاؤ۔»**عباد کہتے ہیں کہ جب گھاٹی کے سرے پر دونوں پہنچ گئے تو انصاری نے مہاجر سے کہا: رات کا کونسا حصہ آپ کو پسند ہے، ابتدائی یا آخری، میں اس میں پہریداری کرلوں گا؟ انہوں نے کہا: «ابتدائی حصہ کافی ہے» ۔پھر مہاجر صحابی لیٹ گئے اور سوگئے اور انصاری صحابی نماز کے لیے کھڑے ہوگئے، جب دشمن میں سے ایک شخص نے دیکھا کہ یہ تو عبادت کررہا ہے تو اس نے انہیں تیر ماردیا جو انہیں لگا تو انہوں نے اسے نکالا اور نماز پڑھتے ہی رہے، دوسرے اور تیسرے تیر کو بھی اسی طرح نکالا اور رکوع و سجود کرنے کے بعد انہوں نے اپنے ساتھی کو مطلع کیا، تو انہوں نے کہا: آپ بیٹھیں آپ کو زخم لگا ہے»

پھر اس دشمن نے دیکھا کہ یہاں زیادہ تعداد ہے تو وہ بھاگ کھڑا ہوا پھر مہاجر صحابی نے انصاری صحابی کا خون بہتا ہوا دیکھا تو کہا: سبحان اللہ آپ نے مجھے پہلے تیر پر مطلع کیوں نہیں کیا۔ حضرت عبادؓ نے جواب دیا:

«میں قرآن کی سورہ(سورۃ کہف) کی تلاوت کررہا تھا اور اپنی نماز کو مکمل کرنے سے پہلے توڑنا نہیں چاہتا تھا، لیکن جب مجھے یکے بعد دیگرے تیر لگے تو میں نے پڑھنا چھوڑ دیا اور رکوع میں جھک گیا۔ اگر اس جگہ کی حفاظت کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں متعین نہ کیا ہوتا، تو میں نماز توڑنے کے بجائے مرجانے کو ترجیح دیتا۔» 43

صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین نے ایسی زندگی گزاری جوقرآن کے گرد گھومتی تھی۔ دین کا ہر ہر رکن ان کے لیے نشاط آفرین تھا۔ قرآن کی ہر آیت جب نازل ہوتی تو گویا ان کے لیے آسمان سے مرغوب اور لذیذ کھانوں سے بھرا دسترخوان نازل ہوتا۔ انہوں نے قرآن کریم کی تعلیمات کے حصول کے لیے اپنی

43 ابوداؤد ، باب الطھارۃ، ۱۹۸/۷۸؛ احمد، ۳۴۴/۳؛ بیہقی، دلائل النبوہ، ۴۵۹/۳؛ ابن ہشام، ۲۱۹/۳؛ واقدی، ۳۹۷/۱۔

تمام کوششیں صرف کردیں اور اسے ایسا نمونہ بنادیا جس پر عمل کیا جاسکے۔ قرآن سے محبت اور اس کی حفاظت کی کیا ہی بہترین مثال ہے جب ایک صحابیہ شادی کے وقت، اپنے مہر میں شوہر سے قرآن کی چند آیات سیکھنے کے عوض راضی ہوگئیں۔» 44

صحابہ رات کو جاگ کر تہجد ادا کرتے تھے، رات کے آخری پہر میں اوراد واذکار پڑھتے تھے، گرم بستروں پر قرآن کی تلاوت کو ترجیح دیتے تھے، حتی کہ رات کی تاریکی میں ان کے گھروں کے پاس سے کوئی گزرتا تو شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح ذکر اور قرآن کی خوبصورت آواز سنتا تھا۔ رات کے اندھیرے میں راہ گیر باآسانی قرآن اور ذکر کی آوازیں سن سکتے تھے، جیسے مکھیوں کے بھنبھنانے کی آواز ہوتی ہے۔

ان کا قرآن سے لگاؤ اتنا زیادہ تھا کہ مشکل ترین حالات میں بھی آنحضور ﷺ انہیں قرآن کی تعلیم سے روشناس کراتے۔ چناں چہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ:

44 ملاحظہ فرمائیں: بخاری، ا لنکاح، ۶، ۳۵،۳۲؛ فضائل القرآن، ۲۲،۲۱؛ مسلم، ا لنکاح، ۷۶۔

ایک دن حضرت ابو طلحہؓ نبی کریم ﷺ کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کھڑے ہوکر اصحاب الصفّہ کو قرآن کی تعلیم دے رہے تھے اور اپنے مبارک پیٹ کے ساتھ ایک پتھر باندھ رکھا تھا جو کہ بھوک کی شدت میں آپ ﷺ کو سیدھے کھڑا رہنے میں مددے رہا تھا۔ (ابونعیم، حلیۃ الاولیاء، ۳۴۲/۱)

قرآن کو سمجھنا اور سیکھنا ان کا مشغلہ تھا اور اس کے احکامات کو گنگنانا اور بار بار دہرانا ان کی خواہش تھی۔

صحابہ کرامؓ نے نبی ﷺ کی ہی اتباع کی اسی لیے مدینہ منورہ میں علماء وحفاظ کی بہتات تھی۔

اس طرح عصر السعادہ ایسا دور بنا، جس کے مشابہ کوئی دور نہ ہو سکا۔

آپ کی رائے کیا ہے؟ اگر پوری دنیا کے فلاسفہ، نفسیات، معاشرتی، تربیتی اور انسانی علوم کے ماہرین جمع ہو کر عصر السعادہ جیسے معاشرے کی بلند صفات کا حامل کوئی ایک چھوٹا سا معاشرہ تشکیل دینا چاہیں، تو کیا وہ اس کوشش میں کامیاب ہوں گے؟ یقینی طور پر اس سوال کا جواب نفی میں ہوگا؛ بلکہ وہ اس معاشرہ کے ادنی درجے تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔ چنانچہ عظیم مسلمان فلسفی فارابی کی

اپنی کتاب ہی کو لے لیجئے جسے اس نے «المدینۃ الفاضلہ» کا نام دیا تھا جس میں اس نے ایسا ہی مثالی معاشرہ بنانے کی ایک تصوراتی کوشش کی تھی جو کوشش ہی کی حد تک رہ گئی اور صرف دیمک اور کیڑوں کے لیے لذیذ کھانا بن گئی۔

رسول ﷺ سے والہانہ محبت کے چند نغمے

رحمت اور عشق کا منبع ایک ہی ذات ہے جس کا کوئی ثانی نہیں ہے، یہی سرچشمہ انسانیت کو محبت الٰہی کے سمندرتک لے جاسکتا ہے۔ آپ ﷺ سے محبت اللہ سے محبت ہے اور آپ ﷺ کی اطاعت ا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت اور آپ ﷺ کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی کرنے کے مترادف ہے۔اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ قرآنِ حکیم میں فرماتاہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (آل عمران:۳۱)

«اے نبی! لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگرتم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتےہو، تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے در گزر فرمائے گا۔ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔»

کلمہ توحید میں «لا الہ الا اللہ» کے بعد «**محمد رسول اللہ**» ہے، کلمہ توحید اور نبیﷺ پر درود اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس

کی محبت کی پونجی ہے، اسی کے ذریعے دونوں جہانوں کا لطف حاصل ہوسکتا ہے اور روحانی فیوضات مل سکتے ہیں۔ یہ کائنات بھی دراصل **اللہ کی محبت** کا عکس ہے۔ اس عکس کی اصل روح **نورِ محمدی ﷺ** ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت پانے کا واحد راستہ نبی ﷺ سے محبت کرنا ہی ہے۔

حقیقتاً تمام جمالیات جیسے: عبادات میں روحانیت، معاملات میں نرمی، اخلاق میں بلندی، دل کی نرمی، آسمان و زمین کا حسن، زبانوں میں فصاحت، احساسات میں لطافت، فکر میں گہرائی یہ تمام چیزیں دلوں پر اس حبِ رسول ﷺ سے منعکس ہوتی ہیں جو نورِ وجود سے عبارت ہے۔ مختصراً تمام تر رعنائیاں نورِ محمدی ﷺ کا عکسِ جمیل ہیں جو دلوں پر جھلملاتا ہے۔

مولانا رومی کس خوبصورتی سے بیان فرماتے ہیں:

«اے دل آ، حقیقی عید تو نبی ﷺ سے ملاقات ہی ہے، اس لیے کہ دنیا کا نور آپ ﷺ کے مبارک وجود کے نو ر سے ہی ہے۔»

اسی سیاق میں نبی کریم ﷺ کے اعمال کی پیروی کرنا ہی دراصل اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور اس کی محبت کے حصول

کا واحد ذریعہ ہے۔ یعنی اسلام انسان کو انسان کامل یا مثالی انسان بنا کر، جس تکمیل تک پہنچانا چاہتا ہے وہ اس سے اس وقت تک دور رہے گا جب تک وہ رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل پیرا ہونے اور عبادت ومعاملات میں آپﷺ کے طریقے سے کتراتا رہے گا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے «کامل انسان» کا مثالی نمونہ نبی کریم ﷺ کی ذات کی صورت میں پوری انسانیت کے لیے پیش کردیا۔ بے شک آپ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں اور ایمان والوں کے لیے ایک بہترین مثال۔

اطاعت کی اہمیت اس سے واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے لیے اپنے بندوں کی محبت کے لیے اس کی اطاعت کو شرط بنایا تو آپﷺ کی اطاعت کا کیا حال ہوگا؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس بلند کیفیت کی ابتدا دل کی گہرائیوں سے رسول ﷺ کی محبت اور آپﷺ کے دنیائے قلب سے حصہ حاصل کرنے سے ہوتی ہے، اس لیے کہ خود اللہ عز وجل نے قرآن کریم میں اتباعِ رسول کے حق میں فرمایا ہے کہ وہ «اسوۂ حسنہ» ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (الحشر:۷)

«رسول جو چیز تمہیں عطا کریں اسے لے لو اور جس چیز سے منع فرمائیں اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو، اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔»

مزید فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ (محمد:۳۳)

«اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرلو۔»

وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا (النساء:۶۹)

«جواللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پراللہ نے انعام کیا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین۔ اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔»

یقیناً قرآن پاک ایک مقدس و آفاقی پیغام، ایک چراغِ ہدایت اور تعلیم الٰہی کی کتاب ہے جو اللہ تعالی نے حضور ﷺ کے قلبِ اطہر پر نازل کی۔ حقیقتاً قرآن پاک کے اسرار صرف اس شخص پر کھلتے ہیں جوآپ ﷺ جیسی روحانی قوت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں بھی صحابہ کرامؓ کے جیسا شرف و مقام حاصل ہو تو اگر ہم کوشش کریں تو ہمیں بھی وہ سعادت نصیب ہوگی اور ہم جمالِ الٰہی، امر و نھی، علم و حکم کی تجلیات سے فیضیاب ہوسکتے ہیں جو ان اسرار میں چھپی ہوئی ہیں ۔

مختصرا اگر ہم کلامِ الہی کو اسی قلبی کیفیت کے ساتھ پڑھیں اور اس کی تعلیم حاصل کریں جیسا کہ وہ نبی ﷺ پر نازل ہوا تھا تو ممکن ہے کہ ہمارے دل بھی نبی ﷺ کی طرف پروانہ وار اسی طرح گھومنے لگیں جیسا کہ نبی ﷺ کے چاہنے والے عصر السعادہ میں آپ ﷺ کے گرد گھومتے تھے ۔ اور اگر ہم نے اس کے ہر کلمہ، ہر امر، یہاں تک ہر اشارہ کو سمجھ لیا تو ہم عشق اور تسلیم و رضا کے اس مقام تک پہنچ سکتے ہیں جہاں پر یہ کہنا ہمارے لیے بالکل شاق نہ ہو:

«میرے ماں باپ، میرا مال یہاں تک میری زندگی آپ ﷺ پر قربان ہوں اے اللہ کے رسول»

حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ ساری انسانیت کے لیے فیض و نور اور محبت کی پناہ گاہ ہے۔عارفین جانتے ہیں کہ ساری کائنات کا وجود، نورِ محمدی سے اللہ کی محبت کی وجہ سے ہے۔ اس لیے ساری کائنات آپ ﷺ کے لیے ایک ہدیہ ہے اور **نورِ محمدی** کے شرف وحفاظت کے لیے یہ کائنات بنائی گئی ہے، گویا آپ ایک گوہرِ نایاب ہیں اور یہ کائنات آپ ﷺ کے لیے ایک سیپ ۔اس لیے آپ ﷺ کی ذات اس بات کی مستحق ہے کہ آپ کو اللہ تعالی **«حبیبی» (میرے محبوب)** کہہ کر پکارے۔45

کیا ہی سعادت مند ہیں ہے وہ مؤمنین جنھوں نے اپنے دل اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے لیے وقف کردئے اور محبت نے ان کے دلوں میں مقام بنالیا۔ ایسی بلند و بالا محبت جس کے سامنے دنیا کی ساری محبتیں ہیچ تھیں ۔

یہ جان لینا نہایت ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حقیقت سے قریب ہونا عقل سے نہیں بلکہ عشق ومحبت سے حاصل ہوتا ہے۔

45 ملاحظہ فرمائیں: ترمذی، المناقب، ۳۶۱۶/۱؛ دارمی، مقدمہ، ۸؛ احمد، ۲۴۱/۶؛ ہیثمی، ۹۲/۹۔

ماہِ ربیع الاول جس میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی، جس میں سارے آسمانوں کے دروازے ایمان والوں کے لیے رحمت ومغفرت بن کر کھلتے ہیں۔

بلکہ اس سے تو غیر مسلم بھی فائدہ اٹھا جاتے ہیں۔ حضور ﷺ کی رضاعی ماں حضرت ثویبہ، ابولہب کی باندی تھیں، جو کہ حضور ﷺ کا چچا اور دشمن تھا۔ جب حضرت ثویبہ نے حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کی خبر دی، تو ابولہب نے خوشی اور مسرت سے انہیں خالص قومی عصبیت کی بنیاد پر، انعام کے طور پر آزاد کر دیا۔ نسلی عصبیت کی بنیاد پر ظاہر ہونے والی صرف اس خوشی کی وجہ سے، ہر پیر کی شام کو ابولہب کے عذاب میں تخفیف کی جاتی ہے۔

جیسا کہ حضرت عباسؓ نے اس بارے میں بیان کیا ہے:

«ابولہب کی موت کے بعد میں نے اسے ایک پورا سال نہیں دیکھا۔ پھر وہ مجھے خواب میں نظر آیا اور وہ دردناک حالت میں تھا اس نے کہا:

«میں نے تم سے دور ہونے کے بعد کوئی راحت نہیں دیکھی مگر محمد ﷺ کی پیدائش کی خوشی میں ثویبہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے ہر پیر کو میرا عذاب ہلکا کر دیا جاتا ہے۔»

یہ وہی دن ہے، جب نبی ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے اور ثویبہ نے ابو لہب کو نبی ﷺ کی ولادت کی خبر ان الفاظ میں دی: کیا آپ کو معلوم ہے کہ آمنہ نے آپ کے بھائی کے بیٹے کو جنا ہے›› تو ابو لہب نے ان سے کہا: ‹‹جاؤ تم آزاد ہو››۔ اور اس بات نے اسے نفع پہنچایا جیسا کہ اس کے بھائی ابوطالب کو نبی ﷺ کی دفاع کرنے کی وجہ سے جہنم میں سب سے کم عذاب دیا جائے گا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ابو لہب نے کہا:

‹‹میں نے تم لوگوں سے دور ہونے کے بعد کوئی خیر نہیں دیکھا سوائے اس کے کہ میں ثویبہ کو آزاد کرنے کے عوض میں اس سے سیراب ہوتا ہوں ‹‹ اور اس نے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کے درمیان بنے سوراخ کی طرف اشارہ کیا۔ 46

ابن الجزری اس بارے میں فرماتے ہیں:

‹‹اگر حضور ﷺ کے دشمن ابولہب کا عذاب صرف آپ ﷺ کی پیدائش پرخوشی (جو محض قبائلی جذبات کی وجہ سے تھی) ظاہر کرنے سے کم ہوگیا، توانسان کو تصور سے ماوراء ان رحمتوں کے

46 ابن کثیر،البدایۃ والنہایۃ،القاہرہ، ۱۹۹۳،ج ۲، ۲۷۷؛ بیہقی،سنن کبری، ۱۶۲/۷؛ابن سعد، ۱۰۸/۱، ۱۲۵۔

بارے میں سوچنا چاہئے، جو ایک مومن کی منتظر ہیں، جو احتراماً حضور ﷺ کی پیدائش کی رات اپنے دل کو آپ ﷺ کی یاد اور محبت سے تازہ کرتا ہے۔ آپ صلی ﷺ کی مبارک پیدائش کے مہینے میں آپ ﷺ کی سیرت کو بیان کرنا اور مؤمنین کے دلوں میں جوش وولولہ کی تجدید کرنا، اس ماہ کی مخفی برکتوں کو حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کی ضیافت کرنا، غریبوں، یتیموں، بے سہارا اور بے یارو مددگار لوگوں کے ساتھ ہر طرح کی اچھائی کر کے ٹوٹے دلوں کی دلجوئی کرنا، زکاۃ وصدقات دے کر انہیں خوش کرنا، قرآن پاک کو سننا اور اس کی تلاوت کرنا ایک مستحب کام ہے۔»

صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کی رسول اللہ ﷺ سے محبت

نبی کریم ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کو اس حد تک عزیز تھے کہ اس کی گہرائی وگیرائی ناقابل بیان ہے۔ ایسی محبت صرف خداداد محبت اور الٰہی فیضان کے ذریعے سے ہی قائم ہوسکتی ہے۔ الہامِ الٰہی کے بغیر ایسی محبت کا ہونا محال ہی ہے۔

صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے محبت، وفاداری اور صداقت کا مضبوط بندھن قائم کیا۔ گویا کہ سمندر عشق سے پھوٹنے والی دھار

ہیں۔ آپ سے تعلق و محبت میں وہ ثریا کی بلندی تک پہنچ گئے، اسی لیے ہر صحابی کے دل سے یہ آواز آتی رہتی: « **نبی ﷺ اس طرح کیا کرتے تھے** » صحابہ آپ ﷺ کی پیروی اس حد تک کرتے تھے کہ اسی راستے پر چلتے جس پر آپ ﷺ کبھی چلے تھے، وہاں رکتے جہاں آپ ﷺ رکے تھے اور اس پھول سے خوشبو تک سونگھتے جس کی آپ ﷺ نے خوشبو سونگھی تھی، جو عطر آپ ﷺ لگاتے، وہی صحابہ بھی لگاتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کے تئیں صحابہ نے عظیم عشق اور گرم جوش محبت کے جن مظاہر کا احساس کیا، وہ ناقابل شمار ہیں، ہاں بعض مشہور اقوال میں ان کی جھلک نظر آتی ہے، جیسے سیدہ عائشہ رسول اللہ ﷺ کی روشن پیشانی کے بارے میں کہتی ہیں:

«اگراہل مصر آپ ﷺ کی خوبصورتی کے بارے میں سن لیتے

تو یوسف علیہ اسلام کو خریدنے میں ایک پائی خرچ نہ کرتے

اگر زلیخا کو ملامت کرنے والیاں آپ ﷺ کا چہرہ مبارک دیکھ لیتیں

تو وہ انگلیوں کے بجائے اپنے دلوں کو کاٹ ڈالنے کو ترجیح دیتیں۔»

جیسا کہ کلمۂ توحید سے یہ صاف ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ بلاشبہ جسمانی طور پر ایک عبد اور انسان ہیں؛ مگر باعتبارِ سیرت آپ تمام پیغمبروں کے سردار ہیں۔ عالم اسرار کا مشاہدہ کرنے والے معروف شاعر عزیز محمود ہدائی، کیا خوب کہتے ہیں:

«یہ کائنات ایک آئینے کی مانند ہے، جس میں ہرچیز حق کے نام پر قائم ہے

بے شک آپ ﷺ کے آئینے کے ذریعہ سے اللہ کو دیکھا اور پہچانا جاتا ہے»

یقیناً نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس حب الٰہی کی تجلی کا مرکز ہے، جو انسان کی فطرت اور تخلیق میں تمام تر مجازی محبتوں کی تکمیل کے بعد بلند و بالا ہوتی ہے۔ اور یہ بات ثابت ہے کہ جب مؤمن انوکھے احساسات اور الٰہی اشارات کو محسوس کرنے لگتا ہے، تب اس کی روح تمام شہوانی مظاہر سے خالی ہوجاتی ہے اور یہی وہ راستہ ہوتا ہے، جہاں وہ اس محبت و متابعت سے اپنا حصہ لیتا ہے۔

اس کی روح جو اسے عظمت وبلندی کی طرف لے جاتی ہے۔ اسی سلسلے میں مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

دونوں جہاں ایک ہی احساس اور دل کے لیے بنائے گئے ہیں47

ذرا اس کے مفہوم پر غور فرمائیے۔ اگر (اے محمد ﷺ) آپ نہ ہوتے تو میں دنیا نہ بناتا (یہاں مراد حدیث «لولاک» ہے)

اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی محبت ہی کسی انسان کو دنیا اور آخرت میں عزت بخشنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین نے نبی کریم ﷺ سے بے پناہ عشق ومحبت کی وجہ سے ایسے بلند درجات حاصل کئے، جن کی گرد کو بھی کوئی نہیں چھو سکتا۔

ذیل میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کی اس بے نظیر محبت کے مزید کچھ مناظر پیش خدمت ہیں:

دورانِ سفرِ ہجرت، غار ثور کی طرف جاتے ہوئے، راستے میں سیدنا ابوبکر صدیقؓ ایک لمحہ نبی کریم ﷺ کے پیچھے چلتے اور اگلے لمحے آپ کے آگے چلنے لگتے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اس مخصوص انداز کو بھانپتے ہوئے پوچھا:

47 دل عضو کو کہتے ہے اور فؤاد خیال کو اور جوہر ہی اصل ہے۔

« اے ابو بکر کیا ہوا، آپ ایسے کیوں چل رہے ہیں؟» سید نا ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا:

«جب مجھے یہ خدشہ محسوس ہوتا ہے کہ مشرکین آپ کو پیچھے سے آپکڑیں گے تو میں آپ کے پیچھے چلنے لگتا ہوں اور جب میں سوچتا ہوں کہ وہ آپ کے سامنے سے آدھمکیں گے تو میں جلدی سے آپ کے سامنے چلنے لگتا ہوں»۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اے ابو بکر اگر کوئی مجھے پکڑنے آئے تو کیا تم یہ پسند کروگے کو وہ پہلے تمھیں پکڑے» تو ابو بکرؓ نے عرض کیا:

اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا، کوئی بھی درد آپ کو ہو تو میں چاہوں گا کہ وہ پہلے مجھ تک پہنچے۔»

(الحاکم،المستدرک،۳۳، ۴۲۶۸/۷)

بالآخر نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ شام کے وقت غار کے دہانے پر آپہنچے۔ تو حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا:

«اے اللہ کے رسول ﷺ آپ پہلے مجھے اندر داخل ہونے دیجیے، ہوسکتا ہے کوئی سانپ یا کوئی زہریلی چیز موجود ہو تو میں اسے دیکھ لوں» پھر آپؓ اندر داخل ہوئے اچھی طرح غار کا جائزہ لیا اور اس میں موجود تمام سوراخوں کو اپنی چادر پھاڑ کرایک ایک

کر کے بند کرنے لگے؛ یہاں تک کہ ساری چادر سوراخوں کو بند کرنے میں صرف کر ڈالی اور ابھی بھی ایک سوراخ کھلا رہ گیا، جسے بند کرنے کے لیے انہوں نے اپنے پیر کی ایڑی لگا دی اور پھر نبی ﷺ کو اندر داخل ہونے دیا۔ جب صبح ہوئی تو نبی ﷺ نے آپؓ سے پوچھا:

«**ابو بکر! تمہاری چادر کہاں ہے؟**» سیدنا ابو بکرؓ نے ساری صورت حال بیان کردی۔ نبی کریم ﷺ نے ابو بکر صدیقؓ کی اس فراخدلی اور عالی ظرفی کو سنتے ہی ان کے لیے ہاتھ اٹھاکر دعا فرمائی۔48

اسی طرح نبی کریم ﷺ سے عقیدت اور جانثاری کا اظہار ایک عورت کی طرف سے بھی سامنے آتا ہے، جس کے اہلِ خانہ میں سے پانچ افراد: شوہر، باپ اور دو بیٹے اور ایک بھائی جنگِ اُحد کے میدان کارزار میں شہید ہو چکے تھے۔ لیکن جب غم واندوہ کی چیخوں کے ساتھ یہ دردناک خبر مدینہ میں بھی پہنچی کہ «محمد ﷺ قتل کردئے گئے»، جس نے مدینہ کے مکینوں کو جھنجھوڑ کر

48 ملاحظہ فرمائیں: ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۲۲۲/۳۔۲۲۳؛ ملاعلی قاری، المرقاۃ، بیروت، ۱۹۹۲، ۳۸۱/۱۰؛ ابونعیم، حلیہ، ۳۳/۱

رکھ دیا۔ ہر کوئی مدینہ کی گلیوں میں اس امید سے نکل آیا کہ شہر میں آنے والوں سے (نبی کریم ﷺ کے متعلق) کوئی خبر مل جائے۔ سمیرہ نام کی ایک انصاری خاتون، یہ خبر موصول ہونے کے باوجود کہ ان کے شوہر، باپ، بھائی اور دو بیٹے سب کے سب میدان جنگ میں شہید ہوچکے ہیں، ان کے دل ودماغ پر ایک ہی فکر سوار تھی کہ نبی کریم ﷺ بخیر وعافیت ہیں یا نہیں۔ **«اللہ کے رسول ﷺ تو ٹھیک ہیں ناں؟»** وہ بارہا یہی سوال کررہی تھیں۔« اللہ کا شکر ہے کہ آپ ﷺ خیریت سے ہیں» صحابہ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔» میرا دل اس وقت تک مطمئن نہیں ہوگا، جب تک میں نبی کریم ﷺ کو خود اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں» سمیرہ نے جواب دیا۔ جب بلند حوصلہ اور بہادر سمیرہ کو نبی کریم ﷺ کا دیدار کرایا گیا، تو وہ لپک کر نبی کریم ﷺ کی طرف دوڑیں اور آپ کی قمیص کا دامن پکڑ کے خوشی سے چیخ اٹھیں:

«اے اللہ کے رسول! آپ کو دیکھنے کے بعد، سارے مصائب آسان ہوگئے۔» (دیکھیں: ابنِ ھشام،۳، ۵۱،واقدی،ج،۱/۲۹۲، ہیثمی،ج،۶۱۱، ۵)

انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں:

« ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: «یا رسول اللہ! قیامت کب آئے گی؟» نبی کریم ﷺ نے پوچھا: **تم نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے؟** اس نے کہا: «اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت»۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے اسے بتلایا: «**پھر تم (بروز قیامت) اسی کے ساتھ ہوگے، جس سے تم محبت کرتے ہو۔**»

اس روایت پرمزید تبصرہ کرتے ہوئے انسؓ فرماتے ہیں: « سوائے اسلام میں داخل ہونے کے، ہمیں کسی چیز سے اس قدر خوشی نہیں ہوئی، جتنی نبی کریم ﷺ کے مذکورہ بالا الفاظ «**پھر تم (بروز قیامت) اسی کے ساتھ ہوگے، جس سے تم محبت کرتے ہو۔**» سے خوشی ہوئی۔ اور میں اللہ اور اس کی رسول ﷺ سے اور ابوبکرؓ وعمرؓ سے بھی محبت کرتا ہوں۔ اگرچہ کہ میں ان (نیک کاموں) میں جو وہ کر گزرے ہیں، ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا، لیکن اس کی باوجود میں ان کی صحبت کی امید رکھتا ہوں۔» (مسلم، بر، ۱۶۳)

بلاشبہ ہر مؤمن خود کو اس خوشخبری کے دائرے میں داخل کرسکتا ہے بشرطیکہ وہ اپنے دل کو آپ ﷺ کے عشق ومحبت، روشنی اور آپ ﷺ سے ملاقات کے شوق سے مزین کرے۔

حضور ﷺ کے وصال کے وقت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین موم کی طرح آتشِ غم سے پگھل رہے تھے، وہ اس دن نبی ﷺ سے جدائی کے غم میں حسرت و یاس کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جل رہے تھے۔ کم و بیش ہر صحابی کا یہی حال تھا، یہاں تک کہ **حضرت عمرؓ** ہوش کھو بیٹھے، اور غشی کی حالت میں چلے گئے۔ اسی اثناء میں **حضرت ابو بکرؓ** بہت مشکل سے اپنے اوپر قابو کرتے ہوئے، کھڑے ہوئے اور لوگوں کو پرسکون کیا۔ وہ بے پناہ محبت کرنے والے لوگ، جو ایک دن بھی اپنے محبوب نبی ﷺ کو دیکھے بنا نہیں رہ سکتے تھے، ان کے لیے یہ بات ناقابل برداشت تھی کہ اب وہ اپنی زندگی میں اپنے پیارے حبیب ﷺ کو اس دنیائے فانی میں دوبارہ نہیں دیکھ سکیں گے۔ اسی لیے حضرت عبد اللہ بن زیادؓ یہ صدمہ زیادہ برداشت نہ کرسکے اور اللہ تعالی سے مغموم دل کے ساتھ دعا کی:

«اے اللہ! مجھے اندھا کردے، میں اپنے حبیب کے بعد ان سے ملاقات تک کوئی چیز دیکھنا نہیں چاہتا۔» کہتے ہیں کہ یہ دعا

ان کے دل کی گہرائی سے نکلی تھی اور ان کی آنکھیں اشک بہا رہی تھیں کہ اسی وقت ان کی بینائی چلی گئی۔ 49

آپ ﷺ کی رحلت کی بعد جب کبھی حضرت ابوبکرؓ حدیث سنانے کی کوشش کرتے تو آپ ﷺ کی یاد سے آنکھیں پُرنم ہوجاتیں اور ایک لفظ نہ بول پاتے۔ حضرت ابو ہریرہؓ ان کی حالت بیان کرتے ہیں:

«حضرت ابوبکرؓ منبر پر چڑھے اور فرمایا: **«جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ جہاں اب میں کھڑا ہوں، وہاں اس سے پہلے اللہ کے پیغمبر ﷺ کھڑے ہوتے تھے»** اس پرانہوں نے رونا شروع کردیا اور بات جاری نہ رکھ سکے۔ انہوں نے پھر وہی الفاظ دہرائے؛ لیکن پھر روپڑے، انہوں نے تیسری بار کوشش کی؛ لیکن اپنے آنسو ضبط نہ کر سکے۔

حالانکہ حضرت ابوبکرؓ اپنی زندگی میں ہر وقت نبی ﷺ کے ساتھ ہی ہوتے تھے، پھر بھی نبی ﷺ سے ملاقات کا بے حد اشتیاق رہتا تھا اور جب آپ ﷺ کے وصال کا وقت ہوگیا، تو

---

49 قرطبی، جامع احکام القرآن، بیروت، ۱۹۸۵ ، ۲۷۱/۵۔

فراق کی وجہ سے یہ اشتیاق اور زیادہ ہوگیا۔ **حضرت عائشہ صدیقہؓ** نبی ﷺ کے تئیں اپنے والد کی محبت واحساسات کو بیان فرماتی ہیں:

«حضرت ابو بکرؓ نے اپنے بسترِ مرگ پر پوچھا: « آج کونسا دن ہے؟»

انہوں نے کہا: «پیر ہے۔» تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا:

«اگر آج میرا انتقال ہو جائے تو میری تدفین کا کل تک انتظار مت کرنا، کیونکہ دن و رات میں میرا سب سے زیادہ پسندیدہ وقت وہ ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ سے میں ملوں گا۔» (احمد،۱/۸)

امام بخاری کی روایت کی مطابق حضرت ابو بکرؓ کا انتقال منگل کی شام کو ہوا اور آپ کو صبح ہونے سے پہلے دفنا دیا گیا۔ (بخاری، جنائز،۷۰،۹۴)

بعض صحابہ کرامؓ ایسے بھی تھے جو نبی ﷺ سے ایسا عشق کرتے تھے کہ بیماروں کو دیکھ کر اس بات پر رشک کرتے تھے کہ یہ ان کے آخری ایام ہیں اور یہ جلد سے جلد اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی ﷺ سے ملاقات کرسکیں گے۔ چناں چہ ایسے بیمار حضرات کے ذریعہ وہ نبی ﷺ کو اپنا سلام بھیجتے تھے۔ چنانچہ سیدنا محمد بن منکدرؒ ایک دفعہ حضور ﷺ کے پیارے صحابی حضرت جابرؓ سے ان

کے مرض الموت میں ملاقات کی اور تسلی دیتے ہوئے انہوں نے حضرت جابرؓ سے کہا:

« جابر! میرا سلام رسول ﷺ تک پہنچا دینا۔»

نبیﷺ سے عشق کرنے والے صحابہ جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر خیر سنتے تو اپنے اندر پاکیزگی اور سعادت محسوس کرتے۔ حضرت براء بن عازب بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد ہر وقت رسول اللہ ﷺ کی باتوں کو سننے کے لیے بڑے بے تاب رہتے تھے۔ آگے بیان کرتے ہیں:

«ایک دفعہ حضرت ابو بکرؓ نے میرے والد سے تیرہ درہم میں ایک سواری خریدی اور ان سے کہا:

اپنے بیٹے براء سے کہیں کہ وہ سواری ان کے گھر تک پہنچادیں۔ میرے والد نے کہا:

«نہیں، پہلے آپ مجھے اپنی اور رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کا واقعہ سنائیں، جب آپ دونوں حضرات مکہ سے نکلے اور مشرکین آپ کے تعاقب میں تھے۔» حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا:

«ہم نے مکہ کو الوداع کہا اور چلنا شروع کیا، ہم ساری رات چلتے رہے، اور دوسرے دن بھی یہاں تک کہ دوپہر آگئی۔ میں

نے اس امید کے ساتھ ادھر ادھر دیکھا کہ کہیں کوئی سایہ مل جائے۔ قریب ہی ایک سایہ دار چٹان دیکھی، میں نے جگہ ہموار کی اور اس کے سائے میں آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے محافظ کی حیثیت سے بیٹھ گیا۔ میں نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ آرام کرلیں۔ اللہ کے نبی ﷺ نے کچھ دیر آرام کیا۔

میں نے ادھر اُدھر دیکھا تو ایک چرواہے پر نظر پڑی، جو اپنی بھیڑوں کا ریوڑ ہماری چٹان کی طرف ہانک رہا تھا اور سایہ تلاش کررہا تھا۔ میں نے اس چرواہے سے پوچھا: «تم کس کے چرواہے ہو؟»۔ تو اس نے کسی قریشی کا نام بتایا جسے میں جانتا تھا۔ «کیا تمھاری بھیڑیں دودھ دیتی ہیں؟» میں نے اس سے پوچھا، تو اس نے جواب دیا» ہاں!» میں نے اس سے کہا: «کیا تم ہمیں کچھ دودھ دے سکتے ہو؟»50 «بالکل میں دے سکتا ہوں» اس نے

50 عربوں کی معروف عادت تھی کہ وہ کسی مسافر کو اپنی بھیڑوں یا اونٹوں کا دودھ پینے سے منع نہیں کرتے تھے اور وہ اپنے چرواہوں کو تنبیہہ کردیتے تھے، اور جو ان کے بھیڑوں اور چوپایوں کی رکھوالی کرتا اسے باخبر کردیا جاتا کہ وہ کسی مسافر کو دودھ دینے سے منع نہ کریں۔ اسی سلسلہ میں نبی ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے:
"تین لوگ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام نہیں کریں گے: ایک وہ شخص جس کے پاس زائد پانی ہو اور وہ مسافر کو دینے سے منع

مسکراتے ہوئے خوشی سے کہا۔ اور ریوڑ میں سے اس نے ایک بھیڑ کو پکڑا۔ تو میں نے اسے کہا تم اپنے ہاتھ اچھی طرح صاف کرلو اور بھیڑ کی تھن بھی صاف کرلو۔ اس نے اپنے ہاتھ اچھی طرح ایک دوسرے سے مار کر صاف کرلیے اور دودھ نکالنے سے پہلے تھن سہلائے۔ اور مجھے دودھ تھمایا۔

میں ہاتھ میں دودھ کا برتن لے کر آپ ﷺ کے پاس پہنچا۔ اسے میں نے کپڑے کے ٹکڑے میں بند کیا ہوا تھا اور اس پر پانی ڈالا تا کہ دودھ ٹھنڈا ہوجائے اور اسے حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، جو اپنی نیند پوری کرکے ابھی بیدار ہوئے تھے۔ میں نے گزارش کی کہ یا رسول اللہ ﷺ کچھ دودھ نوش فرمالیں۔ آپ نے دودھ پیا، تب مجھے کچھ سکون آیا۔ پھر میں نے کہا: ‹‹یا رسول اللہ ﷺ اب چلنے کا وقت ہے›› تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ‹‹ہاں چلو››۔ ہم چلے اور قریش ہمارے تعاقب میں تھے لیکن ان میں سے صرف سراقہ بن مالک بن جعشم ہمارے

کردے، اور ایک وہ شخص جو عصر کے بعد سامانِ تجارت بیچنے کے لیے جھوٹی قسمیں اٹھائے، اور ایک وہ شخص جو کسی امام سے بیعت کرے اگر وہ اس کو عطا کرے تو اس کی وفاداری کرے اور اگر وہ اسے عطا نہ کرے تو اس سے وفا نہیں کرتا۔ ‘‘ (ابو داؤد، البیوع، ۳۴۷۴/۶۰)

پاس پہنچ سکا، تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ یا رسول اللہ! اس نے وہ تو ہمارے قریب آگیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«خوف نہ کرو! اللہ ہمارے ساتھ ہے۔» (بخاری، اصحاب النبی،۲؛ احمد،۱/۲)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کو حضور اکرم ﷺ سے اتنی محبت تھی کہ **کچھ صحابہ اپنے بال اس لیے نہیں کٹواتے تھے کہ انہیں حضور ﷺ نے چھوا تھا۔**

اسی طرح وہ صحابیات بھی محبت کا خوبصورت مظہر ہیں، جنھوں نے عشقِ رسول ﷺ کو اپنے بچوں میں منتقل کیا۔ چنانچہ جب ان کے بچے لمبے عرصے تک حضور ﷺ سے نہ ملتے، تو صحابیات ان کو ڈانٹ ڈپٹ کرتی تھیں۔ انھی میں سی ایک **حضرت حذیفہؓ بن الیمان** تھے، ان کی ماں نے انہیں ایک دفعہ حضور ﷺ سے کچھ دنوں تک نہ ملنے پر ڈانٹ ڈپٹ کی۔

حضرت حذیفہؓ خود کہتے ہیں:

«ایک دفعہ میری والدہ نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ سے آخری مرتبہ کب ملے تھے؟ میں نے کہا کچھ دن پہلے، تو انہوں نے مجھے سختی سے ڈانٹا۔ میں نے کہا «امی غصہ مت کریں، میں آج

ہی نبی ﷺ کے پاس جاؤں گا، اور آپ ﷺ کے ساتھ مغرب کی نماز ادا کروں گا۔ اور آپ ﷺ سے کہوں گا کہ وہ آپ کی اور میری مغفرت کی دعا فرمائیں۔» پھر میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور مغرب کی نماز آپﷺ کے ساتھ ادا کی پھر عشاء کی نماز بھی پڑھی، پھر جب آپﷺ تشریف لے جانے لگے تو میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے چلنے لگا، آپ ﷺ نے میرے قدموں کی آہٹ سنی اور فرمایا:

«یہ کون ہیں، کیا حذیفہ ہیں؟» میں نے کہا «جی» تو آپ ﷺ نے فرمایا:

کیا کام ہے؟ اللہ تمہاری اور تمہاری والدہ کی مغفرت فرمائے۔»

(ترمذی، مناقب، ۳۷۸۱/۳۰؛ احمد، ۳۹۱/۵۔۳۹۱)

حضرت بلالؓ رسول اللہ ﷺ کے مؤذن اورمسجد نبوی کے بلبل تھے۔ جب حضورﷺ کا وصال ہوا، تو ان کی حالت ایسی ہوگئی کہ ان کے اندر بولنے کی طاقت بھی نہ رہی۔ یہاں تک کہ کوئی دوسرا شخص بھی انہیں بولنے پر مجبور نہیں کرسکتا تھا اور مدینہ اپنی تمام تر عظمت کے باوجود ان کی نظروں میں معمولی ہوگیا تھا۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے کی یادیں تازہ

کرنے کے لیے متعدد موقعوں پر حضرت بلالؓ سے اذان دینے کی درخواست کی، اور ان سے فرمایا: کیا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یہ امت آپﷺ کے مؤذن سے بھی محروم ہوجائے گی؟۔ لیکن رنج زدہ بلالؓ نے معذوری ظاہر کرتے ہوئے کہا:

« ابوبکرؓ! رسول ﷺ کے جانے کے بعد مجھے اذان دینے میں کوئی رغبت نہیں رہی۔ اس لیے مجھے مجبور نہ کریں اور مجھے میرے حال پرچھوڑدیں۔»

لیکن ابوبکرؓ نبی ﷺ کے دور کی سہانی وخوبصورت یادیں امت کو دوبارہ یاد دلانا چاہتے تھے لہذا ان سے کہا:

کیا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یہ امت آپﷺ کے مؤذن سے بھی محروم ہوجائے گی؟

حضرت ابوبکرؓ کے اصرار کی بنا پر، وہ انکار نہ کر سکے؛ سرجھکائے ہوئے اور بھیگی آنکھوں کے ساتھ فجر کی اذان دینے کے لیے اذان خانے پر تشریف لے گئے، مگر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گزرے ہوئے خوش گوار ایام کی یادیں آنکھوں کے سامنے گھومنے لگیں، لہذا ایک بلند چیخ کے ساتھ ان کی آواز بند ہو گئی، اور اذان دیے بغیر نیچے اتر آئے، پھر حضرت ابو بکرؓ بھی دوبارہ ان سے گزارش نہ کر سکے۔

نیز حضرت بلالؓ زیادہ عرصہ مدینہ میں نہ رہ سکے، کیونکہ شہر کے کونے کونے میں رسول اللہ ﷺ کی یادیں تھیں۔ اور اسی صبح فجر کی نماز کے فوراً بعد وہ دمشق روانہ ہوگئے۔ اپنے پیارے حبیب ﷺ سے ملنے کے لیے انہوں نے یکے بعد دیگرے سرحدی جنگوں میں اہم کردار ادا کیا۔ لیکن شہادت کی خواہش کے باوجود بچ جانے پر وہ کافی مایوس ہوتے، اس طرح کئی سال گزر گئے۔

پھر دمشق میں طاعون کی وبا پھیلی، جس نے پچیس ہزار (۲۵۰۰۰) جانیں لے لیں؛ لیکن اللہ کے حکم سے حضرت بلالؓ کا سانس پھر بھی باقی رہا۔ پھر بھی ان کا دل حضور ﷺ کے لیے جھلستا رہا۔

ایک دن انہوں نے آپ ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرما رہے ہیں:

«بلال! یہ کیسی بے وفائی ہے؟ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم مجھ سے ملو؟»

غم زدہ بلال اچانک بیدار ہوگئے۔ مزید تکلیف برداشت کیے بغیر وہ نبی کریم ﷺ کی قبر انور کی زیارت کے لیے مدینہ روانہ ہوگئے۔

رسول اللہ ﷺ کی قبر پر پہنچے اور رونا شروع کردیا اوراپنا چہرہ

قبر کی مٹی پر پھیرنا شروع کردیا۔ اسی دوران سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما وہاں آگئے۔ حضور ﷺ کے پیارے نواسوں اور جنت کے پھولوں کو دیکھ کر حضرت بلالؓ نے بڑے تپاک سے انہیں گلے لگا کر چوما۔ حسنینؓ نے ان سے کہا:

«ہم آپ کی اذان سننے کے مشتاق ہیں»

لہذا ان کی خواہش پر حضرت بلالؓ نے چھت پر کھڑے ہو کر اذاں دی۔ جیسے ہی انہوں نے « اللہ اکبر» کی صدا بلند کی، پورے مدینہ میں کہرام مچ گیا، پھر جب انہوں نے « اشہد ان لا الہ الا اللہ « کہا تو کہرام میں مزید شدت آگئی، حتی کہ حضرت بلال نے جب «اشھد ان محمد رسول اللہ» کہا، تو باپردہ خواتین بھی بے ساختہ گھروں سے باہر نکل پڑیں، سب کہنے لگے: رسول اللہ ﷺ دوبارہ اس دنیا میں تشریف لے آئیں ہیں اور پھر سب اتنا روئے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سے آج تک اہل مدینہ پر کبھی اتنا گریہ وزاری طاری نہیں ہوا تھا۔ 51

51 ابن اثیر، اسد الغابۃ، ۱/۲۴۴۔۲۴۵؛ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، بیروت، ۱۹۸۶، ۱/۳۵۷۔۳۵۸

یہ نامور اور عظیم جانثار صحابی ۶۰ سال کی عمر پا کر دمشق میں وفات پا گئے۔اپنے مرض الموت کے دوران وہ خوشی سے کہہ رہے تھے:

«کل اگر اللہ نے چاہا تو میں بچھڑے ہوئے دوستوں اور اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے ساتھیوں سے ملوں گا۔»

ان کی اہلیہ شوہر کی وفات پر روتے ہوئے کہہ رہی تھیں (ہائے بربادی) لیکن حضرت بلالؓ اس وقت اپنی خوشی کا اظہار کر رہے تھے اور پکار رہے تھے **«کیسا خوشی کا وقت ہے!»**

حدیث روایت کرنے میں بھی صحابہ رضوان اللہ علیھم اجمعین کی حضور ﷺ کے تئیں بے پناہ محبت واضح طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کی احادیث روایت کرتے ہوئے، ان کے چہرے زرد پڑجاتے اور ان کے شانے پر کپکپاہٹ طاری ہوجاتی، وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں ان کی زبان سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے، جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں فرمائی۔ چنانچہ **عبد اللہ بن مسعودؓ** حضور ﷺ کی حدیث روایت کرتے ہوئے شدت سے کانپنے لگتے۔ اور صحابہ کرامؓ میں سے اکثر حدیث روایت کرنے کے فوراً بعد واضح طور پر کہہ دیتے تھے: «جیسا کہ آپ ﷺ

نے فرمایا، اور ایسا کہا یا اس سے ملتا جلتا کچھ، یا اسی کے قریب قریب» اور یہ سب احتیاط بشری خطاؤں کے پیشِ نظر تھی۔ (ابن ماجہ: مقدمہ، ۳)

نبی اکرم ﷺ سے محبت دوسرے جانداروں کو بھی تھی۔ جس کھجور کے تنے سے ٹیک لگا کر آپ ﷺ وعظ فرماتے تھے وہ بھی آپ سے علیحدہ ہونے پر کراہ رہا تھا۔ (بخاری، مناقب، ۲۵) آپ کی انگلیاں اپنی امت کے لیے پیاس بجھانے کا ذریعہ بن گئیں۔ آپ ﷺ کے بچے ہوئے پانی سے بیماریوں میں شفا حاصل کی جاتی تھی، آپ ﷺ کے ساتھ کھانا کھانے والے آپ ﷺ کے سامنے کے کھانے کے اندر سے تسبیح پڑھنے کی آواز سنتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کی داڑھی اور سر کے مبارک بال مسجدوں میں «لحیہ شریفہ» کے نام سے»[52] حفاظت کے ساتھ رکھے گئے ہیں تاکہ ان سے برکت اور رحمت حاصل کی جاسکے۔

آپ ﷺ قیامت کے دن میدانِ حشر کے سر براہ ہیں۔
اور گناہ گاروں کے لیے شفاعت کرنے والے ہیں۔

52 ان معجزات اور اس کے علاوہ دیگر معجزات کے لیے دیکھیں: بخاری، المناقت، ۲۵۔

آپ ﷺ ہی کی ذات اپنی امت کے درد محسوس کر کے تڑپے گی اور آپ ﷺ اللہ سے فریاد کریں گے: میری امت، میری امت!

قیامت کے دن حمد کا جھنڈا آپ ہی کے ہاتھ میں ہوگا۔
اور تمام پیغمبر اسی کے زیر سایہ ہونگے،
آپ ﷺ کا ہاتھ ہی جنت کا دروازہ کھولنے والا پہلا ہاتھ ہوگا،

شیخ غالب اس منظر کی خوبصورت انداز میں ترجمانی کرتے ہیں:

«آپ ﷺ کا ذکرِ خیر عالمِ بقاء کے منبروں پر ہوگا۔
خدا کی عدالت میں آپ ﷺ کے فیصلے، کلام اور آپ کی شریعت جاری ہوگی،
آپ ﷺ کی مقدس آمد کے استقبال میں عرشِ معلیٰ پر خوشی کی محفل آراستہ کی جائے گی،
آپ کا مبارک نام آسمانوں اور زمین میں ہمیشہ پکارا جائے گا»
آپ ہی احمد، ومحمود اور محمد بھی آپ ہیں، اے میرے آقا ﷺ آپ پر صلاۃ وسلام۔

اللہ کے پاس آپ ﷺ ہی ہماری تائید کرنے والے بادشاہ ہیں
اے ہمارے آقا ﷺ،

صحابہ کرامؓ کے بعد عشق رسول ﷺ کی یہ لہریں

رسول رب العالمین ﷺ کے تئیں تمام مخلوق کے لیے باعث رحمت حضرات کے عشق ومحبت کے قافلے، وصل کے سمندر کی جانب بھر پور اور پرجوش انداز میں تھپیڑے مار تے رہے؛ کیوں کہ آپ ﷺ کی محبت ہی دنیا وآخرت میں سلامتی اور سعادت کی پونجی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے پیشن گوئی فرمادی تھی کہ آپ سے محبت کرنے والے قیامت کی آخری گھڑی تک برقرار رہیں گے چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«میری امت میں سے کچھ مجھ سے بہت زیادہ محبت کرنے والے ہیں۔ یہ ان میں سے ہوں گے جو میرے بعد آئیں گے۔ مجھے دیکھنے کے لیے وہ بڑے شوق سے اپنے مال و دولت اور رشتہ داروں کو قربان کرنے کے لیے تیار ہوں گے۔» (مسلم، جنۃ، ۱۲؛ حاکم، ۹۵/۴)

اے اللہ ہم بے کسوں کو ان لوگوں میں شامل فرما جن کی اس حدیث پاک میں تعریف کی گئی ہے۔ آمین

یہ بات واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ سے محبت کرنے والوں کے لیے رنج ومصائب اور فانی آلائشیں کوئی معنی نہیں رکھتیں، اس سلسلہ میں **حضرت عبداللہ ابن مبارک**ؒ بیان فرماتے ہیں:

«میں **امام مالک**ؒ کے ساتھ بیٹھا تھا، وہ اللہ کے پیغمبر ﷺ کی حدیث بیان کررہے تھے؛ لیکن ان کے چہرے پراذیت کے آثار نمایاں تھے۔ ان کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا، تب بھی وہ مسلسل حضور ﷺ کی حدیث بیان کرتے رہے۔ جب مجلس ختم ہوئی اور طلبہ منتشر ہوگئے تو میں نے ان سے پوچھا:

«ابوعبداللہ! آج آپ کو کچھ غیر معمولی پایا»، انہوں نے مجھ سے کہا:

«یہاں ایک بچھو آیا اور اس نے مجھے درس حدیث کے دوران کئی بار ڈنک مارا؛ لیکن میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی تعظیم کی خاطر اپنی جگہ سے نہ ہلا۔» 53

53 ۔ مناوی، فیض القدیر، بیروت، ۱۹۹۴، ۳/۳۳۳؛ سیوطی، مفتاح الجنۃ، ۲۵۔

حضور پاک ﷺ کے مبارک قدموں کی تعظیم کی خاطر امام مالک کبھی مدینے میں سواری پر سوار نہیں ہوئے۔ حدیث سے متعلق کسی مسئلے کے حل کے لیے کوئی ملاقاتی آتا تو پیارے رسول ﷺ کی حدیث بیان کرنے کے لیے وہ پہلے احتراماً وضو کرتے، اپنے سر پہ عمامہ باندھتے، اچھی خوشبو لگاتے اور کسی اونچے منبر پر بیٹھتے، تب وہ کسی ملاقاتی سے ملتے۔ وہ اپنے آپ کو روحانی طور پر نبی کریم ﷺ کی شان کے لیے تیار کرتے اور الفاظ کو صحیح طریقے سے ادا کرنے کے لیے تمام احتیاط کو مدّ نظر رکھتے۔ امام مالکؒ روضۂ رسول ﷺ میں ہمیشہ دھیمی آواز میں بات کرتے۔ مسجدِ نبوی میں آپ نے ہمیشہ منبر پر دھیمی آواز میں بات کی اور خلیفۂ وقت ابوجعفر منصور کو ان الفاظ میں خبر دار کیا تھا، جب انہوں نے وہاں اچانک اپنی آواز بلند کی تھی:

«خلیفہ اس جگہ اپنی آواز دھیمی رکھو، اللہ خبردار کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں کوئی بھی اونچی آواز سے نہ بولے۔ یہ بھی جان لو کہ یہ آیت صحابہ کرامؓ کو تنبیہ کرنے اور انہیں منع کرنے کے لیے نازل ہوئی تھی، جو ہم میں سب سے افضل ہیں۔»

بالکل اسی طرح **امام مالک** نے مدینے کے گورنر کو معاف کردیا، جو ان کے لیے بلاوجہ تکلیف کا باعث بنا تھا اور فرمایا:

«مجھے شرم آتی ہے اس بات سے کہ روز محشر اللہ کے رسول ﷺ کی اولاد میں سے کسی سے جھگڑا کروں۔»

سید احمد یسوی نبی ﷺ کے لیے بڑی پرجوش محبت رکھتے تھے اور عاشقِ رسول کے نام سے جانے جاتے تھے، انہوں نے تریسٹھ سال کی عمر کے بعد زمین پر گھومنا پھرنا اور سیر وسیاحت چھوڑدی، کیونکہ نبی ﷺ کا وصال بھی تریسٹھ سال کی عمر میں ہوا تھا تو آپ نے آپ ﷺ کے عشق میں زندگی کے باقی دس سال ایک قبر نما جگہ کے اندر گزاردئے اور وہیں اپنی وفات تک دعوت وتبلیغ کا کام کرتے رہے۔»

حدیث کے بہت بڑے عالم تھے **امام نوویؒ** نے اپنی ساری زندگی تربوز اس لیے نہیں کھایا کہ انہیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے تربوز کس طرح کھایا۔ چوں کہ نبی ﷺ کی زندگی کے اوراق اور آپ ﷺ کی سیرت کی اتباع کی رغبت اور اس کا داعیہ رکھتے تھے؛ اسی لیے وہ پوری زندگی تربوز نہ کھانے

کا عمل کر سکے؛ کیوں کہ وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں ان سے کوئی ایسا عمل سرزد نہ ہوجائے جو آپ ﷺ نے نہ کیا ہو۔

عثمانی خلیفہ سلیم اول جو ایک عالم کا حکمراں تھا، جب وہ نبی ﷺ کی حقیقت کو پاگیا اور یہ سمجھ گیا کہ آپ ﷺ دنیا کے معیار سے بہت بلند تر ہیں، تو بے ساختہ کہہ اٹھا:

انسان کے لیے دنیا کی بادشاہت بے کار مقابلہ اور جنگ وجدال کا نام ہے

بلکہ حقیقی رہبر ومرشد کو چاہنا اور ان کا تابع کرنا ہر چیز سے افضل و اولیٰ اور قیمتی ہے۔

نیز ان اشعار کے ذریعہ وہ اپنی حسرت ویاس اوراللہ اور اس کے رسول ﷺ کے تئیں اپنے شوق کو واضح کررہے ہیں۔

پرانے وقتوں میں ایک رواج تھا کہ مشہور اقوال زریں یا اشعار کو مہروں پر کندہ کیا جاتا تھا۔ «بزمِ عالم» جو کسی عثمانی خلیفہ کی والدہ تھیں، انہوں نے اپنی مہرِ پر ایک عبارت کندہ کروائی تھی، جس کا مطلب تھا: اللہ نے اس عالم کو نورِ محمدی کے اکرام و تعظیم کے لیے پیدا فرمایا:

حضور ﷺ کا ظہور خدا کی محبت کی وجہ سے ہوا۔

نبی ﷺ سے جو محبت خالی ہو، اس میں کوئی بھلائی نہیں۔

اس دنیا میں حبیب ﷺ کے وجود اور تشریف آوری کی وجہ سے ہی « بزمِ عالم « اپنے رب تک پہنچ سکی۔

عظیم بغدادی شاعر فضولی اپنے شہرۂ آفاق قصیدہ «الماء» میں وجد کی اس کیفیت اور آتش محبت کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

«اے آنکھو! میرے دل کی آگ کو ان آنسوؤں سے نہ بجھاؤ، کیوں کہ محبت کی آگ سے بھڑکنے والے یہ شعلے پانی سے نہیں بجھ سکتے۔

مجھے آسمان کا رنگ نہیں معلوم، کیا آسمان کی چھتری پانی کا رنگ ہے، یا میری آنکھ سے بہنے والے آنسوؤں نے اسے سمندر بنا دیا ہے۔

باغ میں گلاب کو پانی دیتے وقت مالی کو اس کی بربادی پر پریشان نہیں ہونا چاہیے،

اس کے ہزاروں باغوں کو سیراب کرنے کے باوجود کھلے ہوئے گلابوں میں سے ایک بھی حضور ﷺ جیسا نہیں ہو سکتا۔

اے میرے دوستو! اگر میں آپ ﷺ کے ہاتھ کو بوسہ دیئے بغیر مرجاؤں تو

میری قبر کی مٹی سے ایک پیالہ بنانا اور اس میں پانی بھر کر میرے پیارے حبیب ﷺ کو پیش کرنا کہ شاید اس طرح میرے ہاتھ ان کو بوسہ دے سکیں۔

سمندروں میں پوری زندگی مسلسل پانی جاری رہتا ہے اور وہ آپ ﷺ کے مبارک قدموں کے غبار کا بوسہ لینے کی کوشش کرتا ہے۔

تو پانی بغیر سوچ سمجھے، ایک پتھر سے دوسرے پتھر اور ایک چٹان سے دوسری چٹان پر اپنے سر کو مارتے ہوئے فریفتگی، محبت، وجد اور سوزش محبت کے ساتھ آپ ﷺ کی طرف یا رسول اللہ! رواں دواں رہتا ہے ۔

سلیمان شبلیؒ درج ذیل مضمون کو سورج سے تعبیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سورج بھی آپ ﷺ کی روشنی کے گرد اس پروانہ کی طرح چکر لگاتا ہے جو روشنی کے اطراف چکر لگاتا ہے:» آپ کی ذاتِ مبارک وہ نور ہے، جس کے چکر آفتاب بھی لگاتا ہے۔»

عثمانی سلطان احمد نے اپنی پگڑی پر حضور پاک ﷺ کے نقشِ پا اس خواہش کے ساتھ بنوائے تھے کہ وہ اس سے فیضیاب ہوسکے

اور آپ ﷺ کی یاد سے دل تروتازہ رہے اور اس بارے میں اس نے ایک نظم میں لکھا ہے:

«کاش میں آپ ﷺ کو بھی اسی طرح اپنے سر پر بٹھاتا، جس طرح میں نے آپ کے نقشِ پا کو اپنے سر کا تاج بنا رکھا ہے،

یہ نقشِ پا نبی ﷺ کا مبارک نقشِ پا ہے، جو انبیاء اور رسولوں کے تاج ہیں،

یہ نقشِ پا والے باغِ نبوت کے گلاب ہیں،

پس اے احمد! جا اور اس گلاب (نبی ﷺ) کے نقشِ پا کو اپنے چہرے پر رکھ»۔

اسی محبت کا اظہار استاد عزیز محمد ہودائی اس طرح کرتے ہیں کہ:

« آپ ﷺ کی آمد یا رسول اللہ! باعث رحمت، ذوق، پاکیزگی اور لطافت ہے۔

آپ ﷺ کی بعثت مریضانِ عشق کے لیے شفا ہے یا رسول اللہ ﷺ،

پس اپنے غلام ہدائی کو ظاہری وباطنی طور پر شفا عطا فرمائیں»

وہ محتاج و بے بس اور عاجز سائل آپ کے در پہ پڑا ہے یا رسول اللہ ﷺ۔

حج کے مقدس سفر کے دوران، مدینہ سے کچھ فاصلے پر جب ایک شاعر جس کا نام «نابی» تھا، نے پاشا (فوجی جرنیل) کو نبی ﷺ کے روضے کی طرف انجانے میں پاؤں پھیلائے ہوئے دیکھا تو وہ مضطرب ہوئے۔ اور انہوں نے قلم اٹھا یا اور نبی ﷺ کی تعظیم و احترام میں یہ اشعار لکھے۔

«بے ادبی سے گریز کرو یہ اللہ کے حبیب ﷺ کا مقام ہے،
اللہ کی نظر کرم اس مقام پر ہے اور کیوں نہ ہو کہ یہ اللہ کے پیارے پیغمبر کا روضہ ہے
اے نابی! روضے کے اندر داخل ہونا ہے تو احترام و ادب کا لحاظ رہے،
یہ بوسہ گاہِ انبیاء اور قدسیوں کے طواف کی جگہ ہے۔»

نابی کے دل سے پھوٹنے والے اس بے لوث شوق کی وجہ سے ہی، روضہ رسول ﷺ کے مؤذنین، ان کے مذکورہ بالا اشعار صبح کے وقت روضہ رسول ﷺ پر پڑھتے تھے۔ عربیت اور انسانیت

کے رسول ﷺ کی لطیف توجہ شاعر نابی کے اندر بہت اثر انداز ہوئی؛ چنانچہ وہ روضہ میں نم آنکھوں کے ساتھ داخل ہوتے تھے۔

سید **محمد** اسعد متأخرین میں سے بہت بڑے شیخ گذرے ہیں، وہ نبی ﷺ کے تئیں اپنے عشق کی آتشِ، ٹیس اور سوزش کو خوبصورت انداز میں بیان کرتے ہیں:

«آپ کے جمال کے جلوؤں سے اے اللہ کے رسول ﷺ
بہار بھی آتشِ شوق بن جاتی ہے،
یہاں تک کہ گلاب، بلبل سنبل مٹی اور کانٹے تک اس آتشِ
شوق میں جلتے ہیں،
آپ کے پرنور چہرے کی شعاعیں آفتاب کی طرح ہیں جو تمام
عشاق میں آتشِ عشق بھڑکا رہی ہیں،
آپ ﷺ کی محبت میں زبان، دل، اور آنکھیں تک جھلس
چکی ہیں،
کیا یہ ممکن ہے کہ ان شہیدانِ محبت کو اس لامحدود آگ سے
پاک کیا جائے؟!
کیوں کہ جسم، کفن اور شہیدوں کو دیئے جانے والے غسل کا
معطر پانی تک آتشِ شوق میں جل رہا ہے۔»

دور جدید کے شاعر **یامان ودہ** پہلے عیسائی تھے؛ لیکن خوش نصیبی سے انہیں حقیقت محمدیہ کا ادراک حاصل ہوا؛ چنانچہ ایمان لاکر رونے والے اور دل میں آتش عشق رکھنے والے نبی ﷺ کے عشاق میں داخل ہوگئے، یہ کتنے دل نشیں اشعار لکھتے ہیں:

« اگر میں صحرا کی تپتی دھوپ میں پیاسا مرجاؤں تو مجھے کوئی تکلیف نہ ہوگی،

میرے دل میں آگ کے جو شعلے اٹھ رہے ہیں، وہ سمندروں کے انڈیلنے سے بھی نم نہ ہونگے،

میرے دل سے نکلنے والی آگ کے سامنے آسمان سے برستی آگ کے شعلوں کا بھی مجھ پر کوئی اثر نہ ہوگا،

یا رسول اللہ! مجھے اپنے جمال سے نواز دیں؛ کیوں کہ میں آتش عشق میں جل چکا ہوں۔

آپ ﷺ کی محبت میں انسان اپنی آنکھیں بند کرے اور آپ کے راستہ پر اپنی جان نچھاور کردے تو یہ اس کے لیے بڑی سعادت ہے،

میرے بادشاہ! کیا آپ مجھے اجازت دیں گے کہ آپ کی چوکھٹ پر سر رکھ کر بے خودی کی حالت میں اپنی جان آپ پر نثار کردوں۔

آپ ﷺ کی محبت میں میری روح کا پرواز کرنا میرے لیے بہت آسان ہوگا،
یا رسول اللہ! مجھے اپنے جمال سے نواز دیں؛کیوں کہ میں آتش عشق میں جل چکا ہوں۔
میں نے سر جھکا لیا اور گردن موڑ لی ہے، میں تکلیف میں ہوں اورمیری بیماری کی دوا آپ کے پاس ہے۔
آپ جب چاہیں اس حقیر کو نواز دیں۔
یا رسول اللہ! مجھے اپنے جمال سے نواز دیں؛کیوں کہ میں آتش عشق میں جل چکا ہوں۔»

کمال ادیب کور کجو اوغلی نے حضور ﷺ کے واقعہ معراج اور عالم سماوی کو خوبصورت اشعار کے ساتھ اپنے پر جوش انداز میں بیان کیا ہے:

«معراج کی رات آپ ﷺ کے رخ زیبا کا دیدار آسمانوں نے کیا،
چنانچہ ساتوں آسمان نے زمین پر سجدہ شکر ادا کیا۔
جبریل ہر رات کوپورے شوق کےساتھ احرام باندھ کر تیار رہتے۔

تاکہ حرم مقدس اور مدینۂ رسول میں مہمان بن کر اتریں۔
جو ایک بار بھی آپ ﷺ کے پرنور چہرے کو د دیکھ لیتا ہے
وہ یہ کہتا ہے کہ کاش میں پھر آپ ﷺ کو دیکھتا وہ حیرت و تعجب
اور فرطِ شوق سے مدہوش ہوکر اپنے اوسان کھودیتا ہے،
آپ کے چہرۂ انور کے جمال کی تاب نہ لاکر اللہ اللہ پکار اٹھتا
ہے!!»

تمام انسانیت کے لیے صحابہ کی شخصیت انتہائی ممتاز بن گئی؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کو انہوں نے اپنا رہنما بنایا، ہر چیز میں آپﷺ کی پیروی کی اور ابدی سعادت حاصل کی، جس کی بنا پر وہ اس دنیا کےروشن ستارے بن گئے۔ فخر کائناتﷺ سے بقدر امکان اپنے اپنے تقرب کے اعتبار سے صحابہ، صلحاء اور اہل حق نے اقدار، فضائل اور شرف حاصل کیا۔

عبداللہ بن زیدؓ، بلال حبشیؓ، امام نوویؒ، سید احمد یسوی اور اسی طرح کے صالحین کے کتنے دلی جذبات ہم میں موجود ہیں؛ اسی لیے ضروری ہے کہ ہم نبی ﷺ سے محبت کے اپنے معیار کو پرکھیں جانچیں، اور اپنے آپ کا محاسبہ کریں کہ ہم کس حد تک امتِ محمدیہ کہلانے کے لائق ہیں۔ اسی طرح ہم پر واجب ہے کہ

ہم اپنی روحوں کو معنوی بیداری وزندگی کی غذا دیں اور اس محبت کو روشن کریں جو عہدِ صحابہ سے چلی آرہی ہے۔

حقیقتاً اسلام کی عظیم شخصیتوں کے جو احوال یہاں پیش کئے گئے، وہ ستاروں کے مانند گراں قدر اور بلند ترین معیارات والی شخصیات ہیں اور جس چیز نے انہیں قیامت تک آنے والے مؤمنین کے دلوں میں ثریا کی بلندی تک پہنچایا، وہ نبی ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کے تئیں ان کا سچا عشق، شوق اور آپ ﷺ سے مظبوط رابطہ تھا۔

ہم جانتے ہیں کہ محبت بجلی کے تاروں کی طرح دو دلوں کو جوڑتی ہے۔ سچا مومن بننے کے لیے ضروری ہے کہ دلوں میں یہ جذبہ اور صلاحیت موجود ہو۔ اس قلبی صلاحیت کے نہ ہونے کی وجہ سے، موجودہ دورکا انسان بحرانوں کا شکار ہے اور اس صلاحیت کے مفقود ہونے کی وجہ سے بہت سے اقدار ختم اور شہوت پرستی کی زد میں آکر پارہ پارہ ہوگئے، جب خواہش اور دنیا پرستی کی طرف تمام تر توجہات اور رجحانات مائل ہوجائیں توکوئی بھی شخص روحانی بلندی کی راہ نہیں پا سکتا۔ دل کی تربیت اور ریاضت کر کے حقیقی محبت کے ملکہ کو حاصل کیے بغیر عشق مجازی سے عشق حقیقی تک انسان کے لیے رسائی ممکن نہیں ہے، جیسے مجنوں کے لیے، اپنے اس سفر

میں، جس کا آغاز اس نے لیلی سے کیا ہے، مولی تک رسائی ممکن نہیں۔ آج انسانوں کو اس محبت کی بہت ضرورت ہے، اسی محبت کے فقدان کی وجہ سے تمام جرائم، گناہ، وغیرہ کا ارتکاب ہورہا ہے۔

محبت کا اندازہ ان قربانیوں اور ان جذبات سے لگایا جاسکتا ہے جو محبوب کے لیے دی جاتی ہیں کیونکہ سچے محبت کرنے والے محبوب کے لیے اپنی زندگی کی قربانی دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے بلکہ ضرورت پڑنے پر یہ سوچتے بھی نہیں کہ یہ قربانی دینی چاہئے یا نہیں؟ وہ اطمینان اور سکون کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں جیسا کہ فرض ادا کرنے جارہے ہوں۔ جب کہ وہ جو سچی محبت سے غافل ہوتے ہیں ان کے نصیب میں ان راہوں پر چلنا بے حد مشکل ہوتا ہے کیونکہ ان کی انا پرستی انہیں ایسی راہوں پرچلنے سے باز رکھتی ہے۔ نتیجتاً ان کے دل بے کار اور زنگ آلود ہوتے ہوتے شیطانوں کی آماجگاہوں میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔

اللہ تعالی کی طرف سے انسان کو عطا کیا جانے والا یہ امتیاز ہے کہ انسان نے امانت کا وہ بوجھ اٹھایا، جس کے اٹھانے سے پہاڑ بھی انکار کر چکے تھے اور حقیقی معنی میں اس امتیاز اور عطا کے حصول کی شرط عشق حقیقی تک رسائی کی قدرت ہے؛ کیوں کہ انسان کے

اندر پائے جانے والی کشمکش اور اکڑ عشق حقیقی کے ذریعہ ہی پگھل کر ختم ہو سکتی ہے۔ اور انسان کامل کسی مثالی شخصیت سے فیضان حاصل کر کے پہلے حیوانی رجحانات سے اپنی روح پاک کرتا ہے؛ پھر اپنے دل کو جنت کی طرح گھنے باغ میں تبدیل کرتا ہے، جس باغ میں مناظر الہی کی کھڑکیاں کھلتی ہیں۔

ہمارا پروردگار اپنی معزز کتاب میں فرماتا ہے:

وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي (الحجر،۲۹)

«اور میں نے اس میں اپنی روح سے کچھ پھونکا» (الحجر: ۲۹)

یعنی اللہ تعالیٰ انسان کو اس کے اندر موجود سب سے اعلیٰ جوہر کو یاد دلارہا ہے اور اس جوہر کو استعمال کرتے ہوئے عشق و محبت کے نتیجہ میں مؤمن درجۂ کمال تک پہنچ سکتا ہے پھر دل اسرارِ الٰہی و معرفت الٰہی کے مراحل و منازل طئے کرتے ہوئے کائنات کے اسرار سے آشنائی اور خدا کی پیدا کردہ چیزوں کے حقائق کی معرفت حاصل کرسکتا ہے، اور بندہ قلبِ سلیم کی تجلیات کا مظہر بن جاتا ہے۔

جب کوئی اُس مقامِ کمال تک پہنچ جاتا ہے جہاں جہالت کے وہ پردے جنھوں نے ایک غلام کو اپنے رب سے دور کیا ہوا تھا اٹھ

جاتے ہیں تو دنیا، اور اسے " موت سے قبل موت" کا راز بھی کچھ معلوم ہوجاتا ہے، اس کی محبت اور اس کی تمام شان و شوکت اس کی نظروں کی سامنے ہیچ ہوجاتی ہے۔ انہیں دل سے نکال دیا جاتا ہے اور پھر دل خدا کی قربت حاصل کرنے کے ذوق و شوق میں مصروف ہو جاتا ہے۔ یہ انسان کے اندر ایسے جذبات پیدا کرتا ہے جس کا اظہار نہیں کیا جاسکتا۔

جو حقیقی محبت سے لطف اندوز نہیں ہوتے، وہ انسان میں حیوانی و شہوانی جذبات کو ختم کرنے پر قادر نہیں ہوتے اور ملائکہ کے درجہ تک پہنچنے کے لیے ایک قدم تک بڑھانے پر قادر نہیں ہوتے۔ اور جو دل عرفانِ الٰہی سے بے بہرہ ہے وہ بنجر زمین کے مانند ہے، کیونکہ محبت میں معرفت ہی اصل ہے اور محبت اس کے وجود کا سبب ہے۔

بے شک رحمتِ الٰہی نے انسانیت کو قعر مذلت اور پستی سے اٹھانے کے لیے نبی کریم ﷺ کی ذاتِ مبارک کو سعادت بناکر بھیجا جنہوں نے انسانیت کے لیے ایک بہترین نمونہ پیش کیا اور حقیقی سعادت کا راستہ حقیقی محبت کو جاننے اور اس میں فنا ہوجانے اور آپ ﷺ کی پیروی اور آپ کی محبت ہی سے ممکن ہے۔

اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ تمام کائنات کی آنکھوں کے لیے ٹھنڈک ہیں اور آپ ﷺ ہی کی ذات اس کے وجود کا اصلی جوہر ہے۔اور وہ اللہ عزّ وجلّ کی جانب سے بڑا کرم ہے۔ اوروہی بندے اور رب تعالی کے درمیان تعلق قائم کروانے والے رہبر ہیں، جنہوں نے اپنے جسمِ اطہر کو اپنے اعمالِ عظیم سے اس مقامِ عبودیت تک پہنچادیا کہ جس کو بیان کرنا ممکن نہیں ہے، اور آپ ﷺ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی عبودیت کے لیے ایک نمونۂ عالی بن گئے۔

مختصریہ کہ حضور ﷺ کی رحمت اور شفقت پوری کائنات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس عالم میں آپ کے سچے عاشق ہمیشہ آپ کی یاد میں بیقرار اور جلتے رہیں گے اور ہر آن آپ ﷺ سے بلند نسبت اور قرب کے شوق کے جام پیتے رہیں گے اور درج ذیل پکار اور بے قراری کے ساتھ جیسے جیسے آتش قلب میں اضافہ ہوگا، محبت بھی ظاہر ہوگی:

«یا رسول اللہ! مجھے اپنے جمال سے بہرہ مند کیجئے، میں آتشِ شوق میں جل رہا ہوں»

یہی وہ محبت ہے، جس نے بہاء الدین نقشبندی، مشہور ربانی شاعر یونس امرہ اور مولانا جلال الدین رومی جیسے حضرات کو معنوی

اور روحانی حقیقت کے آسمان کا ستارہ بنایا، اسی عشق کے ذریعے مولانا رومی نے حقیقت اور ابدی خوشی کے عالم کی طرف قدم بڑھایا۔ اور یہی سعادت قادر مطلق تک پہنچنے کا ذریعہ ہے؛ چنانچہ یہ حضرات فانی جسم کی قید وبند سے آزاد ہوگئے اور ہمیشگی اور ابدیت کی طرف انہوں نے فاصلے طے کیے اور ہمیشہ ہمیش کی نعمت سے بہرہ مند ہوئے۔

ان چیزوں اور لوگوں کے ساتھ زندگی گزارتے ہوئے، جن پر فنا اورموت طاری ہوتی ہے، حقیقی سعادت کا احساس کتنا ممکن ہوسکتا ہے! ابدی سعادت کا صرف یہی راستہ ہے کہ آپ صرف اس ذات سے عشق ومحبت کریں، جو محبت کی مستحق ہے، جیسا کہ مولانا رومی نے اس ضمن میں اپنی سعادت کے سرچشمہ کے راز کو افشا کرتے ہوئے لکھا ہے:

«جب تک کہ میں زندہ ہوں میں قرآن کی خدمت میں لگا رہوں گا۔ میں نبی ﷺ کے راستے کی خاک بن جاؤں گا اور اس شخص سے اور اس کے الفاظ سے میرا کوئی واسطہ نہیں جو میری باتوں سے کم کوئی اور بات کہتا ہے۔»

اس کا خلاصہ یہ ہے کے نبی پاک صلی ﷺ کے راستے کی خاک بننا، اس راستے کی خالص پیروی کرنا، اس راہ میں قربانیاں پیش کرنا اور زندگی بھر کے لیے آپ ﷺ کی محبت میں گرفتار ہونا ہے اور زندگی کے تمام چھوٹے بڑے معاملات میں آپ ﷺ کی سنت کی پیروی کرنا ہے، یہ سب آپ کے لیے ضروری ہے۔

محبت رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ اس ابدی سعادت کو حاصل کرنے کا دوسرا راستہ اور نورِ مجسم ﷺ کے ساتھ تعلق جوڑنے اور اپنے آپ کو ان کی روحانیت میں چھپانے کے لیے درود و سلام کو اپنی زبان سے متواتر اور یومیہ وظیفہ کے طور پر ادا کرنا ہے۔ یہ اس بات کی یقین دہانی کراتا ہے کہ ہمارے دلوں کا آپ ﷺ کی پر نور ذات کے ساتھ گہرا اور مضبوط تعلق پیدا ہوگیا ہے۔

نبی ﷺ کی ذات اقدس کی اتباع کرنے کی وجہ سے ہم پر آپ ﷺ کے حضور درود و سلام کا یومیہ نذرانہ بھیجنا اور آپ ﷺ کی روحانیت کو اپنے اندر سمونا بھی واجب ہوجاتا ہے اسلیے کہ اس سے آپ ﷺ کے ساتھ قلبی تعلق مظبوط ہوتا ہے اور ہمارے قلوب آپ ﷺ کی محبت کے نور سے روشن ہوتے ہیں۔

رسول ﷺ کی ذات مبارکہ کے لیے درود وسلام کا نذرانہ

قرآن کریم میں اللہ تعالی نے حضور ﷺ کی زندگی کی قسم کھائی ہے اور اپنے بابرکت نام کے ساتھ نبی ﷺ کا نام لیا ہے۔ اور آپ ﷺ پر ایمان مؤمن ہونے کے لیے شرط قرار دیا ہے۔ اسی طرح اس بات سے بھی خبردار کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے بلند آواز سے آپ کا نام نہ لیا جائے یا آپ کو اس طرح نہ پکارا جائے جیسا عام انسانوں کو پکارا جاتا ہے۔ اس پر بھی متنبہ کیا گیا ہے کہ اس عمل سے زندگی بھر کی کمائی ضائع ہوجانے کا خطرہ ہے۔ علاوہ ازیں اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ اور اس کے فرشتے آپ ﷺ پر بہت زیادہ درود بھیجتے ہیں اور امت کو حکم دیتے ہیں کہ وہ بھی ایسا ہی کریں۔ چناچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (الأحزاب: ٥٦)

«بے شک اللہ تعالی اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم (بھی) ان پر درود بھیجو اور خوب سلام (بھی) بھیجتے رہا کرو۔»

حضرت ابی بن کعبؓ روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

«رات کے آخری تہائی میں نبی کریم ﷺ نیند سے اٹھے اور فرمایا:

«اے لوگو اللہ کو یاد کرو! اللہ کو یاد کرو، صور پھونکنے کی پہلی آواز پر زمیں تھرتھراجائے گی، اس کی بعد دوسری پھونک ماری جائے گی اور موت اپنی شدت سے چھاجائے گی «۔ حضرت ابیؓ کہتے ہیں، میں نے کہا» یا رسول اللہ میں آپ پر بہت درود پڑھتا ہوں۔ مجھے یہ کتنا کرنا چاہیے۔» آپ ﷺ نے فرمایا» جتنا تم کرسکتے ہو، اگر تم زیادہ کرو تو تمہارے لیے بہتر ہے»۔میں نے کہا: «ایک چوتھائی» آپ ﷺ نے فرمایا» جتنا تم کرسکتے ہو اور اگر اس سے زیادہ کرو تو بہتر ہے»میں نے کہا: «دو تہائی» آپ ﷺ نے فرمایا: «جتنا تم کرسکتے ہو اور اگر اس سے زیادہ کرو تو بہتر ہے۔»

میں نے کہا: «تب تو میں آپ پر درود بھیجتا رہوں گا»

آپ ﷺ نے فرمایا» تب تو تمہارے سارے غم دور ہوجائیں گے اور تمہارے سارے گناہ معاف کردئے جائیں گے۔» (ترمذی، قیامت،۲۳/۲۴۵)

حضور اکرم ﷺ سے محبت کرنے والوں کی زبان مسلسل درود و سلام سے تر رہتی ہے۔ کیونکہ یہ مؤمنین کے دل میں آپ ﷺ کی محبت بڑھانے کا ذریعہ ہے۔ در حقیقت رسول اللہ ﷺ کی شایان شان آپ ﷺ کی اتباع کرنا اور آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ سے استفادہ کرنا، قرآن وسنت کے فہم اور ان کی حقیقت کے ادراک سے ہی ممکن ہے۔ اور یہ سیدنا محمد ﷺ کے مثالی اخلاق اور قلبی اعمال سے تقرب حاصل کرنے کے ذریعہ ہی ہوسکتا ہے۔

کسی فانی انسان کے بس کی یہ بات نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ مبارک کی کماحقہ عکاسی کرسکے، اور نہ ہی کوئی آپ ﷺ کے اخلاقِ عالیہ اور فطرتِ سلیمہ کو کماحقہ جان سکا۔ علماء، مفکرین سلاطین اور جبرئیلؑ نے آپ کے مقام و مرتبہ اور عزت و عظمت کو جان لیا تھا اسی لیے وہ آپ ﷺ کے راستہ کے متلاشی اور آپ کے در کے سائل تھے۔

دوسری طرف دعا کو لے لیجئے۔ دعا اسلامی شعار ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اوردرود و سلام سے شروع ہوتی ہے۔ اور انہی دو آداب کے ساتھ دعا ختم بھی کی جاتی ہے۔ اس لیے کہ یہ ہمارا پختہ عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس پر درود کے ساتھ اللہ تعالی سے دعا مانگنا اور التجا کرنا رد نہیں کیا جاتا بلکہ اسے شرفِ قبولیت عطا کیا جاتا ہے۔ اسی حقیقت کی وجہ سے ہم اپنی دعاؤں کے آغاز اور اختتام کو درود وسلام سے مزین کرتے ہیں؛ کیوں کہ درود کی مدد سے ہی دعا کی قبولیت کی امید ہوتی ہے؛ چنانچہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

«دعا زمیں اور آسمانوں کے درمیان لٹکی رہتی ہے اور اس وقت تک اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچتی جب تک حضور اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ پر درود نہ بھیجا جائے۔» (ترمذی، وتر،۲۱/۴۸۶)

ایک دن رسول پاک ﷺ نے ایک شخص کو نماز کے بعد دعا مانگتے ہوئے دیکھا جو نبی کریم ﷺ پر درود و سلام کے بغیر دعا مانگ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا»اس نے جلدی جلدی دعا مانگی ہے» پھر اس شخص کو بلایا اور اس سے اور دوسروں سے فرمایا:

«کسی شخص کو دعا مانگتے ہوئے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنی چاہئے اورپھر اس کے رسول ﷺ پر درود بھیجنا چاہئے اور اس کے بعد جو چاہے مانگیں۔» (ترمذی، دعوت،۶۴/۳۴۷۷)

دعا میں رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ توسل کی اہمیت کے حوالے سے ابن عباسؓ سے ایک روایت منقول ہے:

«خیبر کے یہودیوں اور قبیلہ غطفان کے درمیان جنگ جاری تھی جس میں یہودیوں کو ہمیشہ کی طرح شکست ہوئی بالآخرانہوں نے دعا کی:

اے خدا! ہم آپ سے اس امی نبی کے نام پرفتح کی دعا کرتے ہیں جس کا ظہور آخری زمانے میں ہوگا، جس کی بعد انہیں فتح حاصل ہوئی اور انہوں نے بنو غطفان کو شکست دی"۔ جب اللہ تعالی نے اس نبی ﷺ کا ظہور فرمایا جس کے نام پرانہوں نے اپنی دعاؤں میں التجا کی تھی تو ان یہودیوں نے اس نبی ﷺ اور آپ پر نازل ہونے والی کتاب کو جھٹلادیا۔ جس کو اللہ تعالی نے یوں بیان فرمایا:

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ. (البقرہ: ۸۹)

«اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے کتاب آئی، اس کی تصدیق کرنے والی، جو ان کے پاس ہے، اور وہ اس سے پہلے کافروں پر فتح مانگتے تھے۔ سو جب ان کے پاس وہ آگیا جو وہ پہنچانتے تھے تو وہ اس کے منکر ہوگئے سو کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔»

(قرطبی،۲/۲۷؛ واحد،۳۱)

رسول اکرم ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ نےان الفاظ میں یقین دہانی فرمائی:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ. (الانفال: ۳۳)

«اور اللہ ایسا نہیں کہ عذاب دے جبکہ آپ ﷺ ان میں ہیں اور اللہ انہیں عذاب دینے والا نہیں جبکہ وہ استغفار کررہے ہوں۔»

پس اللہ تعالیٰ کا وعدہ منکروں کے ساتھ بھی تھا۔ محض آپ ﷺ کا وجود اور آپ کا کفار کے درمیان ہونا ہی اس بات کے

لیے کافی تھا کہ خدا وہاں اپنا عذاب نہ لاتا۔ اگر کفار کے ساتھ یہ معاملہ ہے تو سوچیے کہ مسلمانوں کے ساتھ اللہ رب العزت آپ ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کا امتی ہونے کی وجہ سے کتنا کرم فرما سکتا ہے۔ چہ جائے کہ ایمان والے رسول اللہ ﷺ کی عظمت پر ایمان لاتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے محبت کے ایک بڑے حصہ کے ساتھ بہرہ ور ہوتے ہیں؛ لہذا ایمان والوں پر فیضان الٰہی کو بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔

بلا شبہ تمام دنیاوی سعادتیں اور آخرت میں درجات کی بلندی اس بات پر منحصر ہے کہ ایک مومن کا دل حضور اکرم ﷺ کی محبت سے کس قدر سرشار ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قیامت کے روز حضور اکرم ﷺ کی شفاعت اور توسل سے بہرہ مند ہونے کے لیے آپ ﷺ پر مسلسل درود و سلام بھیجنا نہایت ضروری ہے۔

حصہ چہارم

- دل ودماغ کے مدرسہ کے لیے ایک مثالی شخصیت کا ہونا ناگزیر ہے
- ہم آپ ﷺ سے کتنی محبت کرتے ہیں؟

دل ودماغ کے مدرسہ کے لیے ایک مثالی شخصیت کا ہونا ناگزیر ہے

تعلیماتِ خداوندی ہی انسان کو انسانیت سکھلاتی ہیں

اللہ رب العزت نے زمیں وآسمان کو انسانیت54 کی خدمت کے لیے مامور فرمایا اور ان چیزوں کے ہوتے ہوئے، اللہ تعالی نے انسان کو غیر ذمہ دار نہیں چھوڑا ہے۔ 55

اسی طرح خالقِ کائنات نے دنیا اور اس کے اندر موجود انسانوں کے لیے متوازن قوانین وقواعد وضع فرمائے۔ اور انسان کو اس بات کا مکلف بنایا کہ وہ اس دار الامتحان میں ذمہ داری وآزادی کے درمیان توازن قائم کرتے ہوئے زندگی گذارے جیسا کہ فرمانِ باریٔ تعالی ہے:

54 ۔ دیکھیں سورۂ جاثیہ: ۱۳۔
55 ۔ دیکھیں سورۂ القیامہ: ۳۶۔

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ، أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ

(الرحمن: ۷۔۸)

«اور آسمان جس کواس نے بلند کیا ہے اور اس نے پیمانہ مقرر کیا ہے۔ اس پیمانے کا تقاضا یہ ہے کہ تم ہرگز اس میں خلل نہ ڈالو۔»

اس کا مطلب ہے کہ انسان کو لازما نظامِ کائنات کی مطابق ڈھل جانا چاہیئے۔ جس طرح کہ وسیع وعریض کائنات میں کوئی عدم توازن نہیں ہے، اسی طرح انسان کو قادرِ مطلق کی اطاعت کی طرف لے جانے والے راستے سے ہرگز انحراف نہیں کرنا چاہیئے۔ عقلمند ہمیشہ اسی متوازن راستے کا انتخاب کرتے ہیں، اور پھر اسی راستے کی بدولت دونوں جہانوں میں کامیاب و کامران قرار پاتے ہیں۔ لیکن جو بے لگام خواہشات کے ساتھ عدم توازن کی زندگی گزار رہے ہیں، نا پائیدار اور تھوڑی دیر ساتھ رہنے والی ان خوشیوں کی وجہ سے وہ دنیا میں اپنے بھیجے جانے اور واپس لوٹنے کے آفاقی راز سے ناواقف ہیں۔ جو اس دنیا کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کے قابل نہیں اور نہ اس کا ادراک رکھتے ہیں، وہ وقت کا زیاں کررہے ہیں۔

ان کی زندگیاں لاپرواہی کے گہرے بھنور میں ہیں۔ ان کے لیے آخرت بھی ایک بڑا نقصان ثابت ہوگی۔

اس راز کا جواب حضرت انسان کی حقیقت میں پوشیدہ ہے۔ اور وہ حقیقت یہ ہے کہ انسان کو اس امتحان گاہ کی طرف غلط اور صحیح دونوں کام کرنے کی صلاحیتوں کے ساتھ تخلیق کرکے بھیجا گیا ہے۔ اور یہ امتحان اسی وقت امتحان بھی ہوتا ہے جب وہ صحیح اور غلط کے کرنے پر قادر ہو۔

اسی لیے انسان کی عمر گذرجاتی ہے اور وہ خیر و شر اور ظاہر و باطن کے درمیان مسلسل برسرپیکار نظر آتا ہے، اس لیے کہ دونوں انسان میں غالب ہونے کی کوشش میں رہتی ہیں۔ انسان اپنے اندر جس طرح خیر کی قوت پاتا ہے، اسی طرح اس کے اندر شر کی قوت بھی ہوتی ہے اور نفسِ امارہ بالسوء کی قوت بہت ہی غیر مہذب ہوتی ہے۔

خیرو شر کی اس جنگ میں صرف عقل وادراک اور خیر کی بالا دستی اور اس کے غلبہ کے لیے، محض ارادہ اور یقین کا ہونا کافی نہیں ہوتا؛ اگر یہ کافی ہوتا تو اللہ تعالیٰ حضرت آدمؑ کو نبوت سے سرفراز نہ کرتا، اور ان پر حقائقِ الٰہیہ کو بھی آشکارا نہ کرتا جس

سے انسان دنیا وآخرت کی بھلائی حاصل کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء ورسولوں بھیج کر انسانوں کی حق کی طرف ہمیشہ سے رہنمائی کی ہے۔ اور آسمانی کتابوں کو عقل ودل کے لیے ایک مددگار کی طرح بھیجا ہے اور اپنے بندوں کو معنوی تربیت حاصل کرنے پر زور دیا ہے۔

عقل ایک دودھاری تلوار کی طرح ہے۔ کبھی انسان کو راہب بنادیتی ہے اور اعمال صالحہ کرنے میں مددگار ہوتی ہے۔ صالح انسان اس کے ذریعہ «**احسن تقویم**» کے درجے کو پہنچ جاتا ہے، جو کہ سب سے اعلیٰ انسانی درجہ ہے۔ لیکن بسا اوقات اسی عقل کی وجہ سے «**بل ھُم اضل**» کے گڑھے کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گرتے ہیں۔ جو کہ جانوروں کے شعور کی سطح سے بھی کم ہے۔ اس لیے عقل کو ایک طئے شدہ نظام اور ترتیب کے تحت لانا چاہئے اور یہ نظام وحی اور انبیاء کی تعلیمات سے مزین ہے۔ عقل اگر وحی کی ہدایت اور روشنی پر چلنے کے لیے آمادہ ہو تو وہ اسے سلامتی تک پہنچاتی ہے۔ اور اگر وحی کی ہدایت سے خود کو محروم کرلیا اور ہدایت کے لیے تیار نہیں تو انجام نہایت افسوسناک ہوسکتا ہے۔

تاریخ نے کئی آمر وظالم فرمانروا دیکھے ہیں جو اپنے آپ کو عقلِ کل سمجھتے تھے، ان کے ضمیر نے اپنے کئے گئے سفاکانہ قتل عام پر ہلکی سی بھی ندامت محسوس نہ کی۔ کیونکہ انہیں اس سفاکی کا جواز ان کی عقل نے بخوبی فراہم کیا تھا۔ جیسا کہ ہلاکو خان نے ۴ لا کھ معصوم اور بے گناہ انسان دجلہ کے پانی میں قتل کر کے ڈال دیے اور اس پر اسے کسی طرح کی کوئی شرمندگی نہیں تھی۔ اسی طرح قبل از اسلام مکہ کے بہت سے لوگ اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کردیتے تھے اور اس دوران ماؤں کی خاموش چیخیں ان کے دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردیتی تھیں۔ اور غلام کی گردن زدنی اور کاٹ کر لکڑی کے ٹکڑے کرنا، ان کے نزدیک دونوں برابر تھے۔ اور اپنی اسی عقل کی بنا پر اسے وہ اپنا قدرتی حق سمجھتے تھے۔

ان کے احساسات اور ادارک ہمارے جیسے ہی تھے تا ہم وہ ان پہیوں کی طرح تھے جو مخالف سمت کام کرتے ہیں۔ تو نتیجہ بھی اس کے برعکس ہی نکلتا تھا۔

یہ تما باتیں اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ رخ پھیرنے والی، تربیت کرنے والی اور ہدایت کرنے والی چیزوں کا انسان محتاج ہے؛ تاکہ اسے فطری و ایجابی میلانات فراہم ہو سکیں۔ منفی و مثبت

طاقتوں کے مظاہر انسانی فطرت میں ہیں؛ مگر برائی اور اچھائی کی طاقتوں کا درست استعمال صرف اسی ادراک میں پوشیدہ ہے جو انبیاء و رسل علیہم السلام نے وحیٔ خداوندی کے ذریعے نوعِ انسانی تک پہنچایا۔ اوراگراس کے برعکس ہو اور ہماری توجہ ہماری فطرت کے خلاف ہو تو یہ شر برائی کا بڑا سبب بن جاتا ہے۔

جب انسان کے اندر کوئی خصلت جگہ بنالیتی ہے تو وہ اپنی مخالف خصلت کو ختم کر دیتی ہے۔ چنانچہ اگر خیر غالب ہوجائے تو وہ شر کی تاثیر کو ختم کردیتا ہے اور اگر شر غالب ہوجائے تو خیر کمزور ہوجاتا ہے، اسی طرح یہ خارجی و باطنی جنگ انسان کے اندر ساری زندگی چلتی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت نے انسانیت کی رشد وہدایت کے لیے کتابوں کے ساتھ ساتھ انبیاء اوررسول بطور اساتذہ مبعوث فرمائے۔ جو اِن بہترین نشوونما کرنے والوں سے تربیت پاتے ہیں، صرف وہی اس قابل بنتے ہیں کہ باطنی طور پر بھی اپنی خوبصورت نشو نما کرسکیں اور ظلمت کی سیاہ راتوں کو ہدایت کے نور سے منور کرسکیں۔ عرب کا معاشرہ ہی دیکھ لیجئے جو جاہلیت کا زمانہ کہلاتا تھا مگر وہ اس قدر دنیا میں مہذب ہوئے کہ پوری دنیا میں سب سے زیادہ قابل تعریف قوم بن کرابھرے اور

یہ بات ثابت ہے کہ وہ نبی ﷺ کی رشد و ہدایت کے زیر سایہ تربیت پاکر ہی اس مقام تک پہنچے۔

صرف یہی وجہ ہے کہ جب تک لوگ نبی اکرم ﷺ کی دی گئی ہدایات سے فیضیاب ہوکر ان پر عمل پیراہوتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوں گے اور یہی تعریف کے مستحق ہوں گے۔ اگر وہ امتحانِ الٰہی جو نفس وروح کی مابین جنگ ہے اس میں ناکام ہوجائیں گے تو نامرادی کے دلدل میں دھنس جائیں گے۔ دنیاوی زندگی در اصل یہ فیصلہ کرنے کے لیے بنائی گئی تھی کہ انسان کس راہ کو اپناتا ہے۔ حقیقتاً انسان کے اندر موجود میلانات اسے اس بات کی طرف متوجہ کرتے ہیں وہ کس راستہ کا انتخاب کرے۔ اور یہ توجہ نفس و روح کے مابین جنگ وجدال کے بعد ظہور پذیر ہوتی ہے، کامیابی کی منزل تک پہنچنے سے پہلے وہ بہت سی سازشوں سے گزر چکا ہوتا ہے۔

کبھی تو نیکی کے راستے میں اچھائیوں کی خوشبو اسے معطر کردیتی ہے تو کبھی برائی اپنا بد بودار اثر اس کے دل و دماغ پر چھوڑ جاتی ہے۔ کیونکہ مختلف ماحول کا اثر اس پر ہوتا ہے۔ اسی لیے انسان کو ہدایت و تربیت اور تزکیہ کی اشد ضرورت ہے۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان اندرونی جنگ وجدال سے کبھی اخلاقی زوال کا شکار ہوکر اس فانی دنیا میں اپنے آپ کو ضائع کردیتا ہے۔ یہ تصادم اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کے اندر انسانی مقصد سے دور کرنے والی نفسانی خواہشات کے ساتھ ساتھ ایسے اعلیٰ فضائل کا مادہ بھی موجود ہے، جو اسے قربِ الٰہی تک لے جاتا ہے۔

نتیجتاً لوگوں کی اندرونی کیفیت، جو کہ ابھی تربیت یافتہ نہیں ہوئے، اور ان کے دل پاک نہیں ہوئے۔ ایسے جنگل کی مانند ہوجاتی ہے جس میں کثرت سے حیوان پناہ لینے لگتے ہیں۔ اور ان میں سے ہر انسان کے اندر اپنی نفسانی خواہشات و میلانات کے حساب سے صفات ہوں گی۔ان میں لومڑی کی طرح مکار بھی ہوں گے، ان میں بھیڑیوں کی طرح چیرپھاڑ کرنے والے بھی ہوں گے،ان میں چیونٹیوں کی طرح جمع کرنے کے حریص بھی ہوں گے،ان میں زہریلے سانپوں کی فطرت والے بھی ہوں گے ، اور خون چوسنے والے بھی ہوں گے، اور ان میں وہ بھی ہوں گے جو آپ کے سامنے ہنس کر ملیں گے اور آپ کی پیٹھ پیچھے آپ پر وار کریں گے۔ یہ تمام خصوصیات مخصوص جانوروں کا خاصا ہے مگر بے تربیت اور بے فیض افراد بھی انہی جانورں میں شمار ہوتے ہیں۔

جو انسان معنوی تربیت کے ذریعہ نفس پرستی اور خواہشات سے بچا کر، اپنی شخصیت کو نیک اور صالح نہیں بنا سکتا، ایسا شخص بری عادتوں میں ملوث رہتا ہے، چناں چہ یہ عادتیں کسی بھی انسان کے اندر راسخ ہوجاتی ہیں؛ پھر اس کے اندر بہت سی حیوانی عادتیں اور خصلتیں وجود میں آجاتی ہیں اور بسا اوقات ان کا باطن بھی ان کے ظاہر کا عکاس ہوتا ہے؛ لہذا اچھے اخلاق کے حامل افراد کے لیے ایسے لوگوں کو سمجھنا کوئی مشکل نہیں ہوتا؛ کیوں کہ ان کے اعمال بالکل آئینہ کی طرح ہوتے ہیں، جس سے ان کی داخلی اور باطنی دنیا کی عکاسی ہوتی ہے، یہ ایک سچا آئینہ اور معیار ہے، جس کا نتیجہ کبھی غلط نہیں ہوتا۔

کمیونزم کا نظام جو کہ دو کرڑور انسانوں کی کھوپڑیوں پر کھڑا گیا تھا کیا یہ ایک ایسے ہی سفاک دل کی عکاسی نہیں کرتا؟ کیا یہ اہرامات ظلم اور تشدد کی یادگار عمارتیں نہیں ہیں؟ جن کے ارد گرد ایک ظالم فرعون کے ظلم کی وجہ سے ہزارہا ہزار لوگوں کو دفنایا گیا۔؟

حالانکہ بہت سے غافلوں کے لیے اب بھی یہ عمارتیں حیرت انگیز تاریخی شاہکار کی مانند ہیں؛ لیکن اگر سچائی کے زاویہ سے دیکھا

جائے تو یہ ظلم وبربریت کی اتنی خوفناک تصویر ہے، جو سرکش خوں ریزوں اور ظالم قاتلوں کو بھی حیرت اور حشت زدہ کردے۔

اس سب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب مینڈک کی صفات رکھنے والے لوگ کسی معاشرہ پر حکمرانی کرتے ہیں تو وہ اس معاشرہ کو مینڈک کا تالاب بنا دیتے ہیں۔ اور جب سانپوں اور بچھوؤں جیسی عادات رکھنے والے لوگ حکمران بن جائیں تب معاشرہ اُن کے زہر کا شکار ہونے لگتا ہے۔ اور ہر طرف خوف اور بے انارکی جڑ پکڑنے لگتی ہے۔ لیکن اس کے برعکس اگر حکمران گلاب کے پھول جیسی خوبصورت فطرت کے حامل ہوں، تو پھر وہ اس معاشرہ کو باغ میں مید تبدیل کردیتے ہیں، جس سے لوگوں کو حقیقی سعادت اور سکون میسر ہوتا ہے۔

اس لیے وحی کی تربیت انسان کے لیے نا گزیر ہے۔ جو اس تربیت سے نہیں گزرتے؛ تو خواہ ان کے اندر مذکورہ بالا وحشیانہ صفات نہ ہوں، تب بھی ان کا ہر کام ان کے وحشی پن کے مطابق ہی ہوتا ہے؛ چاہے ان سے کچھ اچھے اور صحیح کام اور معاملات بھی وجود میں آجائیں۔

کیوں کہ وہ تمام خوبیاں وقتی ہوتی ہیں، جو تربیت الہی کے علاوہ کسی اور تربیت کے نتیجہ میں ہوتی ہیں، اس لیے کہ شہوانی خواہشات کے جوش اور مشکل حالات میں بلند تربیت سے محروم لوگوں کے غیر ہموار رجحانات اور برائیاں فورا ظاہر ہوجاتی ہیں۔ چنانچہ غیر تربیت یافتہ لوگ اس بلی کی طرح ہیں، جو ہر وقت چوہے کے شکار کی خواہش میں رہتی ہے۔ اگر کئی قسم کے شاندار اور لذیذ کھانے بلی کے سامنے ہوں، اور اس کی نگاہ کسی چوہے پر پڑ جائے، تو وہ اپنے سامنے کے لذیذ کھانوں کو چھوڑ کو اس چوہے کی طرف دوڑ پڑے گی، چنانچہ جب انسان کی تربیت الہی معیارات پر نہ ہو تو وہ بلی کی طرح ہو جاتا ہے، اس کے پاس بہترین چیزیں ہوتے ہوئے بھی، وہ ملنے والے ہر چوہے (غلط کام) کے پیچھے دوڑتا ہے، جس سے وہ ہلاک ہو جاتا ہے

فرعون اور نمرود کا اپنی خواہشات کی تسکین کے لیے قتل وغارت گری اور سفاکی کرنا در اصل اس بلی جیسی خواہشات کی وجہ سے ہی ہے۔

تربیتِ الٰہیہ کا یہ اعجاز ہے جہاں یہ حکم ہے کہ کسی کا چھوٹا سا بھی حق غصب کرنے سے ڈریں کہ کہیں یہ شعلہ ہوا سے بھڑک

نہ اٹھے، تو ناحق انسانی قتل کے بارے میں کیا حکم ہوگا سوچیں! ۔ اللہ کے محبوب رحمت للعالمین ﷺ نے ہرے بھرے درختوں کی ٹہنیوں تک کو کاٹنے سے منع فرمایا ہے۔ فتح مکہ کی طرف گامزن ہوتے ہوتے آپ ﷺ نے اپنی فوج کو صرف اس لیے دوسرا راستہ اختیار کرنے کا حکم دیا تھا کہ ایک کتیاٗ جو اپنے بچوں کو دودھ پلارہی تھی کہیں خوفزدہ نہ ہوجائے۔ چیونٹیوں کا جلا ہوا گھر دیکھ کر آپ ﷺ کو اتنی ذہنی تکلیف ہوئی کہ رحمت للعالمین ﷺ نے پوچھا:

چیونٹیوں کے ان بلوں کو کس نے جلایا؟

اس الٰہی تربیت اور روح کو اپنے اندر جذب کرنے والے عثمانی حکمرانوں نے نا صرف انسانوں کی خدمت کے لیے اوقاف کا قیام کیا؛ بلکہ دوسری مخلوقات کی حفاظت اور دیکھ بھال کے لیے بھی وقف بنائے گئے، یہ سب اسی رحمت کا اثر تھا جس کی تعلیم اللہ کے رسول ﷺ نے دی ہے۔ آج بھی بہت سارے سیاحوں کی تحقیق یہ واضح کرتی ہے کہ کس طرح مسلمانوں کے محلوں میں کتے، بلیاں ہمسایوں کی طرح انسانوں کے اطراف بلا خوف و خطر پھرتے تھے۔ مگر غیر مسلمین کے محلوں میں یہ تمام جانور انسانوں کے سائے سے بھی ڈر کر چھپ جاتے تھے۔

سابقہ مثالیں تربیت یافتہ اور غیر تربیت یافتہ انسان کی ہیں۔ وہ بھی انسان ہی ہے جو ناحق خون بہاکر زمین کو اس سے سیراب کرتا ہے تو دوسری طرف وہ بھی انسان ہی ہے جو اپنے خون سے ضرورتمندوں کی مدد کرتے ہوئے انہیں گلاب پیش کرتا ہے۔

اللہ کی کتنی بڑی حکمت ہے کہ اس دنیا میں منفی اور مثبت سوچ کے لوگ ایک ساتھ اور ایک ہی جگہ میں رہتے ہیں،

ہم اس مثال سے اس بات کی وضاحت کرسکتے ہیں: جیسے کسی دبلے پتلے ہرن کو ایسے باڑے میں باندھ دیا جائے، جس میں بڑے ڈیل ڈول والے، خونخوار درندے ہوں۔

کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ کم ظرف، کنجوس کے ساتھ سخی، عالم کے ساتھ احمق، ظالم کے ساتھ رحمدل، بھی زندگی گزارتے ہیں۔ تو جو سخی ہوگا، وہ متواضع، رحم دل اور دوسروں کی خدمت کے لیے ہمہ وقت تیار رہے گا۔ احمق عالم کو سمجھے گا نہیں، اور ظالم اپنے ظلم کو عین انصاف سمجھے گا، اور وہ ایک دوسرے کے خلاف کام کرتے رہیں گے۔ یعنی سخت دل لوگ فرشتہ صفات والوں کے ساتھ اس دنیا میں رہیں گے۔ اور ہم ان میں ایک کو اللہ تعالیٰ کو حاصل کرنے کے لیے اس کے راستہ پر چلنے والا اور اس کا مطیع

بندہ پائیں گے تو دوسرا قعرِ مذلت کے گڑھے میں گرکر اسے ہی سعادت سمجھے گا، اور ان کے لیے زندگی میں محض بعام، شہوت، منصب اور اسی کے جیسے فانی دنیا کے امور ہی سب کچھ ہیں۔

ایک ایسی دنیا میں زندہ رہتے ہوئے جس میں مختلف متضاد کردار ہیں، یہ بنیادی طور پر ایک مشکل امتحان ہے، مگر انسان کو اس امتحان سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ اس کی زندگی کا بنیادی مقصد ہی امتحان میں کامیاب ہونا ہے اور قربِ الٰہی کا حصول ہے۔ جس کے لیے یہ ضروری ہے کہ بُری باتوں سے بچاجائے اور اُن کا ساتھ اختیار کیاجائے جو نیک ہوں۔ تب ہی انسان عزت و عظمت کے ساتھ اپنی زندگی کو بہتر انداز میں گزار سکتا ہے۔

انسان اپنی روح کے اعتبار سے آسمانی اور جسم کے اعتبار سے زمینی مخلوق ہے؛ اس لیے روح اللہ رب العزّت کی طرف لوٹ جائے گی، اور جسم جو مختلف اشیاء سے مرکب ہے زمین میں ہی رہ جائے گا۔ اور انسان جسمانی اعتبار سے دوسری مخلوقات کے اوصاف بھی اپنے اندر رکھتا ہے؛ لہذا اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے نفس کی معنوی تربیت کرے اور اس کا تزکیہ کرے، اپنی خواہشات پر قابو رکھے اور اپنی روح کو غذا فراہم کر کے اسے تقویت پہنچائے۔ اور

اگر انسان نے اپنی منفی صفات کو پروان چڑھایا تو وہ خارجی شیطان اور داخلی خواہشات نفس کے سامنے شکست سے کبھی نجات نہیں پا سکتا۔ اور پھر اس کی روحانی قوت کمزور ہو جائے گی۔جیسا کہ قرآن میں اللہ رب العزّت ارشاد فرماتے ہیں:

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا (الشمس: ۷۔۱۰)

«اور انسانی جان کی قسم اور اسے ہمہ پہلو توازن ودرستگی دینے والے کی قسم، پھر اس نے اسے اس کو بدکاری اور پرہیزگاری کی(تمیز) سمجھ دی۔ بے شک وہ شخص فلاح پاگیا جس نے اس (نفس) کو (رذائل سے) پاک کرلیا (اور اس میں نیکی کی نشونماکی) اور بے شک وہ شخص نامراد ہوا جس نے اس کو (گناہوں) میں ملوث کرلیا (اور نیکی کو دبا دیا)۔»

فجور اور تقوی والی تشبیہ بلیغ، جو انسان کے اندر موجود ہے، اور جس کے بارے میں آیت نے بتایا ہے، مولانا رومیؒ اس کی وضاحت کرتے ہیں:

«اے حق کے متلاشی اگرتم حقیقت سے واقف ہونا چاہتے ہو تو جان لو کہ موسیٰ اور فرعون مرے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ آج تک تم

لوگوں کے اندر ہی زندہ ہیں؛ لیکن وہ چھپے ہوئے ہیں اور اپنی جنگ تمہارے دلوں میں لڑ رہے ہیں۔ اس لیے تمھیں ان دونوں حریفوں کو اپنے اندر تلاش کرنا چاہئے، جو ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔»

پھر مولانا رومیؒ کہتے ہیں:

«صرف جسم کے گوشت کو پالنے پوسنے کی طرف دھیان نہ دو، اس لیے کہ اسے آگے مٹی میں جاکر ملنا ہی ہے۔ بلکہ بنیادی طور پر اپنے دل کی تربیت کی طرف توجہ دو، اس لیے کہ اسے شرف حاصل ہوگا اور وہی عالمِ بالا کی طرف جائے گا۔ اپنے بدن کو شہد اور گھی جیسی پاکیزہ چیزیں کم مقدار میں پہنچاؤ، اس لیے کہ جس نے اپنے بدن کو ضرورت سے زیادہ غذا فراہم کردی تو وہ آخر کار شہوت کی طرف مائل ہوجائے گا اور کمزور، بے حیثیت اور حقیر ہوجائے گا۔ بلکہ اپنی روح کو معنوی چیزوں سے سیراب کرو، اور جو چیزیں روح کے مناسب ہیں، ان کے بارے میں فکر کر؛ تاکہ ان مقامات کی طرف پوری قوت کے ساتھ بڑھ سکے، جہاں اسے عنقریب جانا ہے۔»

غیر تربیت یافتہ نفس کی مثال اس درخت کی سی ہے جس کی جڑیں کمزور ہیں۔ اور اس کی کمزوری کی علامتیں اس درخت کی

شاخوں، پتوں اور پھولوں سے ظاہر ہوتی ہیں، ٹھیک اسی طرح جب دل میں کوئی مرض ہو تو بدن کی حرکات سے وہ ظاہر ہوجائے گا اور بدن کے لیے نقصان کا سبب ہوگا۔ خواہشاتِ نفسانیہ جیسے حسد و کینہ تکبر وغیرہ کا علاج ضروری ہے۔ اور جہاں تک سلبی اوصاف کی اصلاح کی بات ہے تو اس کے لیے سب سے پہلے اللہ کی حدود میں داخل ہونا چاہئے اور اپنے اعمال سے اللہ کو راضی کرنا ہے اور جیسا اس نے ہم پر احکام واجب کئے ہیں ان پر قائم رہنا ہے۔ مگر دو بنیادی چیزیں جو کہ انسان کا کردار اللہ کی مرضی کے مطابق بنانے کے لیے مددگار ثابت ہوتی ہیں: وہ ہیں اچھے لوگوں کو نمونہ اور مقتدی بنانا اور پھر ان کی تقلید کرنا۔

پیشوا اور نمونہ بنانے کے حوالے سے انسانی رجحان

پیدائش کی ساتھ ہی انسان کو زندگی گزارنے کے لیے پیشوا اور نمونے کی ضرورت پڑتی ہے؛ کیوں کہ وہ تمام چیزیں، جن سے اس کی زندگی کی تشکیل ہوتی ہے: جیسے زبان، دین، اخلاقی عادت واوصاف انہی نمونوں سے وجود میں آتے ہیں، جن کے عقائد اور سرگرمیاں اس کے سامنے ہوتی ہیں، نیز ان نمونوں سے حاصل ہونے والے نقوش سے وجود میں آتے ہیں۔ اس حوالے سے بعض

استثناءات ضرور ہوتے ہیں؛ لیکن عمومی طور پر ہر انسان نمونہ کا محتاج ہوتا ہے۔

جیسے والدین جو زبان بولتے ہیں، بچہ بھی وہی زبان سیکھتا ہے، بعد ازاں دیگر نمونوں کے ذریعہ وہ دوسری، تیسری اور چوتھی زبان سیکھ پاتا ہے، اسی وجہ سے انسان کی تعلیم وتربیت تقلید کے ذریعہ ہی ہوتی ہے؛ خواہ مثبت چیزوں کی تقلید ہو یا منفی کی، یا بعض خارجی اثرات کے ساتھ اپنے فطری اوصاف کی تقلید ہو۔ اس سیاق میں انسان پہلے اپنے تربیت کرنے والے والدین، پھر گھر کے دیگر افراد اور آخر میں جس ماحول میں رہتا ہے اس سے متاثر ہوتا ہے، پھر اس تقلید کے نتیجہ میں اپنی صلاحیت کے اعتبار سے مثبت یا منفی شخص کی حیثیت سے وہ معاشرہ کا حصہ بن جاتا ہے۔

جہاں زبان اور دیگر ظاہری چیزوں کا سیکھنا بچہ کے لیے آسان ہوتا ہے، وہیں مذہب، اخلاق اور اپنی روحانی دنیا کی تعمیر میں اسے بہت سی سخت اور بڑی دشواریوں کا سامنا ہوتا ہے؛ کیوں کہ انسان کی آزمائش اورامتحان کے لیے مشیئت الٰہی نے شیطان، نفس اور خواہشات جیسی بہت سی رکاوٹیں بھی پیدا فرمائی ہے، جو اچھائی کے

کاموں کی پیروی کرنے سے انسان کو ہمیشہ دور رکھنے کی کوشش کرتی ہیں۔

اسی لیے انسان اپنے اندر موجود تقلید کے فطری میلان کی وجہ سے، ان لوگوں کے فتنوں کا شکار ہوجاتا ہے، جنہیں وہ مثبت یا منفی طور پر اپنا رہبر ومرشد سمجھتا ہے اور ان کی حسبِ استطاعت پیروی کرتا ہے۔ اسی وجہ سے جب تک انبیاء اور اولیاء اللہ کی زیر تربیت انسان کے دین، اخلاق اور روحانی دنیا کی تشکیل نہیں ہوتی، اس وقت تک غفلت وگمراہی اور گناہوں کی طرف میلان سے اسے چھٹکارا نہیں مل سکتا اور اس طرح اس کی ابدی سعادت بڑے خسارے میں بدل جاتی ہے۔

آج، ان لوگوں کا یہی حال ہے جنہوں نے مشہور غلط اور نامناسب لوگوں کو بطورِ نمونہ اختیار کرلیا ہے، اور انہوں نے ان لوگوں کے معیار تک پہنچنے کے لیے اپنی ذات اور ابدی سعادت کو خود ہلاکت میں ڈال دیا ہے، یہ ایسا انسانی اسراف اور تمدنی افلاس ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ کیوں کہ اپنے دل کے عرش کو گمراہ لوگوں کے بیٹھنے کا مقام بنانا بڑا خسارہ ونقصان ہے۔

مولانا جلال الدین رومیؒ نے نپے تلے اور جلی الفاظ میں نفس کے حیلوں کو بیان کیا ہے، اور نفس کے عجیب وغریب انداز سے انسان کو دھوکہ دینے کی منظر کشی کی ہے؛ چنانچہ کہتے ہیں:

« یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ایک بھیڑ اپنی جان بچانے کے لیے بھیڑئے سے بھاگے، اس لیے کہ بھیڑ کا دشمن اور شکاری بھیڑیا ہی ہے؛ مگر حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ایک بھیڑ اپنے ہی شکاری اور جان کے دشمن بھیڑئے کی طرف مائل ہونے لگے۔»

« کتنی مچھلیاں پانی کے اندر ہر چیز سے بے خوف ہو کر رہتی ہیں؛ لیکن وہ اپنی لالچ اور حرص کی وجہ سے کانٹے میں پھنس جاتی ہیں۔»

اس لیے نسل انسانی کو ہمیشہ ایسے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے جودل کی لطافت او شا ئستہ مزاجی سے نفس وخواہشات کے حیلوں اور شر سے بچنے میں ہماری رہنمائی کریں۔

انبیاءِ کرام علیہم السلام کے مثالی کردار

کامل نمونہ کی شکل میں انسان کے پاس بہت ہی اہم چیز ہے، جس کی وہ اتباع کرتا ہے اور اس کے نقش قدم پر چلتا ہے؛ کیوں کہ کسی مخصوص شخص سے محبت اس کی پیروی اور اس کی تقلید

کرنا انسانی فطرت ہے، اس لیے انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ کامل نمونہ کو تلاش کرے؛ تاکہ اس کے نقوش کی اتباع کر سکے؛ اس لیے اللہ رب العزت نے صرف الہامی کتابیں نازل کر کے ہی انسانوں پر احسان نہیں کیا؛ بلکہ اوصاف کاملہ کے حاملین انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی مبعوث فرمایا، تاکہ وہ ان الہامی کتابوں کے چلتے پھرتے عملِی نمونے بن سکیں۔

یہ رسول ہی نمونہ والی شخصیات ہیں، جن کے مذہبی، علمی اور اخلاقی معاملات اور اعمال سے کاملیت جھلکتی ہے، پوری انسانی تاریخ میں ہر نبی مثالی اور معروف حسن سلوک کی چوٹی پر فائز تھے، اور تمام انسانیت کے لیے غیر معمولی خدمات پیش فرمائی ہیں۔

ایسے ہی اولیائے کرام: یعنی اہل اللہ اور انبیاء کے وارثین بھی ہوتے ہیں۔ وہی معرفت کے حامل، نیک وصالح اور مومنین کاملین ہیں۔ کیوں کہ وہ:

وہ ظاہری دین کو اس کے باطنی رموز سے مناسب طرز پر مربوط کرتے ہیں اور اسے اپنی شخصیات میں منقش کرتے ہیں۔

وہ تقویٰ اور پرہیزگاری کے راستے پر قلبی مراحل طئے کرکے سلوک کے اعلیٰ مقام تک پہنچے ہوتے ہیں۔

وہ اپنی قوتِ فہم اور احساسات کو دنیا وآخرت کے آفاق کی وسعت دیتے ہیں، اور ایمان کی حلاوت کو محسوس کرکے، احساس وشعور کی گہرائی تک پہنچتے ہیں۔

وہ اپنے تمام انسانی اعمال اور کوششوں کو تمام بری خصلتوں، بری عادتوں اور نفس کی تاریک سرکشی سے پاک کرلیتے ہیں؛ جس کی وجہ سے وہ اخلاق جمیلہ یعنی روحانی کمالات کی بلندی تک پہنچتے ہیں۔

یہ بلندی کے مینار، جنھوں نے نبوی رہنمائی اور سیرت میں کمال حاصل کیا، وہ ادھر ادھر پھیل گئے۔ یعنی ان کی بلند شخصیات ایسی ہیں کہ جو حضرات انبیاء ورسول کے دیدار سے محروم رہے ہیں، ان کے لیے ضروری ہے کہ ان اللہ والوں کو بطور نمونہ اختیار کریں؛ کیوں کہ شفقت کی زبان سے دلوں کو زندہ کرنے والی ان کی نصائح ورہنمائی، ایسے روحانی وشبنمی قطرے ہیں، جو بنیادی طور پر نبوت کے سرچشمہ سے نکل رہے ہیں۔

انسان دنیا میں جہاں کہیں بھی ہو، اگر ان کے درمیان انصاف کی حکمرانی اور بالا دستی ہو، دلوں کو جوڑنے والی رحمت اور شفقت پائی جائے، کسی بھی معاشرہ میں مالدار غریبوں کا تعاون کریں، ان کے ساتھ مہربانی اور شفقت کا بہترین معاملہ کریں، طاقتور مظلوم کا

دفاع کریں، صحت مند کمزوروں کا تعاون کریں اور صاحب ثروت بیواؤں اور یتیموں کی کفالت کریں، تو بلا تردد ہم یہ کہہ سکتے ہیں: یہ تمام فضائل اور خوبیاں انبیاء، ان کے پیروکاروں اور ان کے نقش قدم پر چلنے والوں سے منتقل ہوکر آئی ہیں۔

انسانی برادری جو ہمارے ابا وامی حضرت آدم اور حوا علیہما السلام سے شروع ہوئی؛ اس نے خوش بختی اور دینی شعار کے ماحول میں زندگی گذارنے کے لیے کعبہ کو پہلا عبادت کا مقام بنایا۔ پھر جب بنی آدم اپنی ضروریات زندگی اور معاشرتی مسائل کی بنا پر زمین میں پھیلے، تو دینی زندگی پر برقرار رہنے کے لیے ان کی رہنمائی اور تعلیم انبیاء کے طرز پر ہی تکمیل پاتی تھی۔ پھر جب جب بھی بگاڑ کرنے والوں اور جاہلوں کی جانب سے ربانی حقائق میں تحریف ہوتی تو اللہ تعالی ان انحرافات کو زائل کرنے لیے انبیاء ورسل کو مبعوث فرماتا؛ تاکہ وہ دین کی تجدید کریں۔ اسی طریقہ سے اللہ کے رحم وکرم اور فضل سے انسانیت انفرادی اور اجتماعی آزمائشوں سے بچتی رہی اور یہ سلسلہ ہمارے نبی ﷺ کے زمانہ تک پہنچا۔

آخر میں «عصر السعادة» (نیک بختی کا زمانہ) آیا، جو ہمارے زمانہ میں وقتِ عصر کی طرح اپنے آخری پڑاؤ میں ہے۔ دینی زندگی

ایک بار پھر اور آخری بار اسی بلندی پر پہنچی، جہاں سے اس کا آغاز ہوا تھا۔ اور یہ بلندی اور رفعت ہمارے نبی محمد ﷺ کی شکل میں مجسم ہوئی، بلندی پر فائز «**کمال محمدی**» کے بعد کسی نئے کمال کا تصور بھی نا ممکن ہے۔ کیوں کہ انبیاء ورسل کو بھیجنے کے ذریعہ دین کی تجدید واحیاء اپنی انتہاء کو پہنچ چکی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جس دین کا انتخاب فرمایا، وہ دین اسلام ہے۔

اس حال میں یہ کہنا ممکن ہے کہ: ہمارے رسول ﷺ انسان کی تعلیم اور اس کی رہنمائی میں ایک مکمل عملی نمونہ ہیں، آپ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں بے شمار عملی مثالوں کے ذریعہ انسان کی رہنمائی کی۔ اور حقیقتاً آپ ﷺ کی تقلید کا رجحان فطری ہے؛ لیکن آپ ﷺ کی تقلید واتباع میں آپ ﷺ کی شخصیت اور آپ ﷺ کی ذات سے دلی محبت کامیابی کی شرط ہے۔

دل اور عقل کا استعمال

اللہ رب العزت نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا اور اسے اشرف المخلوقات کے بلند رتبے سے نوازا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالی نے واضح کیا کہ زمین اور آسمان میں موجود تمام چیزیں انسان کی خدمت کے لیے ہیں۔ لیکن بلاشبہ یہ نعمت ان لوگوں کے لیے ہے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارا سب سے بڑا فریضہ یہ ہے کہ ہم اللہ رب العزت کی نعمتوں میں غور وفکر کریں اور جس مقصد کے لیے وہ نعمتیں عطا کی گئی ہیں اس کے مطابق ان کو استعمال کریں۔ نیز خاص طور پر ہم اپنے دل اور دماغ کو بہتر انداز میں استعمال کر نے کے مکلف اور مامور ہیں۔

عقل کا کس طرح استعمال کیا جائے؟

عقل کا مناسب استعمال یہ ہے کہ اسے خواہشات نفس کے تابع نہ کیا جائے، اس کے برعکس اپنے آپ کو یہ یاد دہانی کرائے کہ وہ امتحان کی دنیا میں ہے؛ تاکہ حقائقِ ربانی پر قائم رہے اور ان کو جانے اور پہچانے ۔

دل کا کس طرح استعمال کیا جائے؟

دل اللہ کی حقیقی محبت کا مقام ہے۔ وہ خالق کے دیکھنے کا مقام ہے۔ اس لیے اسے ہر قسم کی برائی ومعاصی سے پاک کرنا اور ذکر وتوحید سے بھرنا ضروری ہے کہ آخر میں وہ اللہ کے حضور حاضر ہونے کے قابل رہے اور یہی قلبِ سلیم ہے۔

نبی ﷺ کی ذات مبارک منفرد مثالی نمونہ ہے

اللہ تعالیٰ نے ہماری رہنمائی و انتباہ کے لیے پیغمبروں کو بھیجا، اس نے اپنے فضل و کرم سے چودہ صدیوں پہلے ہمارے نبی ﷺ تک تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام علیھم السلام کو مبعوث فرمایا۔ جس پیغمبر سے خدا کوسب سے زیادہ کام لینا تھا اور جو اس کا محبوب ترین بھی کہلایا، انہیں اس نے سب سے آخر میں رکھا۔ ہر نبی مخصوص لوگوں کی طرف بھیجا گیا، جس نے اپنی قوم کو اس

کی ضروریات اور ان کے معاشرے کی تنظیم کے اعتبار سے تعلیم وتربیت دی۔

اس کے برعکس نبی کریم ﷺ تمام انسانیت اور قیامت تک آنے والے انسانوں کی دعوتِ دین کے لیے مبعوث کئے گئے اور اللہ نے آپ ﷺ کو اس وقت بطور نعمت نوازا، جب دنیا جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی؛ تاکہ آپ ﷺ آفتابِ ہدایت بن کر انسانیت کو روشن کریں اور نبی ﷺ نے اس ہدایت کے فریضہ کو احسن طریقہ سے انجام دیا۔

سب سے بڑا معجزہ: قرآن کریم

اللہ عزوجل نے نبی ﷺ کو سب سے بڑا معجزہ قرآن پاک کی صورت میں عطا فرمایا۔ قرآن کریم قیامت تک خود ہی ثابت کرتا رہے گا کہ یہ اللہ کا پاک کلام ہے اور نبی کریم ﷺ کی نبوت سچی ہے۔ اور نبی ﷺ کو عطا کردہ اس معجزہ کو قیامت تک تمام انسان دیکھیں گے اور اسے قریب سے جانیں گے۔

نبی اکرم ﷺ نے قرآنی معجزہ سے ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کی، جو «**عصر السعادہ کا معاشرہ**» 56 کے نام سے مشہور

56 ترک حضرات ''عصر السعادۃ'' کی اصطلاح برکت کے حصول کے لیے استعمال

ہے۔ دنیا نے ایسا معاشرہ نہیں دیکھا۔ اس لیے کہ اس زمانہ میں انسان تحت الثریٰ سے اٹھ کر ثریا کی بلندی پر پہنچا۔ حضور ﷺ کی تعلیمات نے معاشرہ میں رحمدلی، شفقت اور احساس ذمہ داری کے ایسے جذبات بیدار کئے کہ جنگلی اور درندہ صفت انسان جو پہلے اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کردیتے تھے ان کے لیے یہ بھی برداشت کرنا مشکل ہوگیا کہ دجلہ کے ساحل پر ایک بھیڑیا کسی کمزور بھیڑ کو زخمی کردے۔ یہی ایک مثال نبی کریم ﷺ کے کردار کی عظمت اور آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی گواہی کے طور پر پیش کرنی کافی ہے۔

اندھا سورج کے وجود سے انکار اور اس سے حسد کریا ہے

اگر دل اندھے نہ ہوں تو وہ یقینی طور پر رسول اللہ ﷺ کو دیکھ لیتے ہیں، اور اگر نگاہ کمزور اور خراب نہ ہو تو وہ آپ ﷺ کی ذات گرامی میں کوئی کمی نہیں دیکھ سکتی، یعنی اگر کوئی آپ ﷺ کی طرف کسی کوتاہی کو منسوب کرنے کی کوشش تو وہ ہرگز ایسا

کرتے ہیں اور اس سے مراد نبی کریم ﷺ کا دور ہے اور یہ حضرات آپ ﷺ کے دور کے ساتھ خصوصیت سے بطور ادب اس اصطلاح کا استعمال کرتے ہیں۔

نہیں کرسکتا، البتہ وہ اپنی بے بسی اور اپنی ہی کوتاہیاں اور غلطیوں کو بیان کرے گا۔

تاریخ ایسے لوگوں سے بھری پڑی ہے جنھوں نے اپنے انبیاء پر مظالم، کذب بیانی اور تکلیف دہ بہتان تراشی کا محاذ کھولا۔ اس لیے کہ حقائقِ ربانی کبھی کبھار ان لوگوں میں اضطراب وبے چینی پیدا کردیتے تھے کیونکہ یہ خوبصورت باتیں ان کے میلانات اور نفسانی خواہشات کے مناسب نہیں تھیں۔

جن برے اعمال اور مذموم اخلاق میں وہ ملوث تھے، ان کو وہ لوگ اپنے پیغمبروں کی طرف منسوب کرتے تھے؛ تاکہ اس نسبت سے وہ اعمال لوگوں کے لیے اچھے اور شرعی ہو جائیں۔

آج بھی جو جھوٹی باتیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف پھیلائی جاتی ہیں، حقیقتاً ان کا کوئی وجود ہی نہیں ہے، بلکہ وہ جھوٹ پھیلانے والے لوگوں کے برے اخلاق اور بری فطرت کی عکاس ہیں۔

اس سے یہ بات پتہ چلتی ہے کہ مخلوق صرف اسی ماحول میں زندہ رہ سکتی ہے جو اس کے مزاج کے لیے مناسب ہو اور انسان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے شہد کی مکھی کی غذا، اس کے سانس لینے اور رہنے کی دنیا پھول ہے، لہذا وہ

اس دنیا سے باہر نہیں رہ سکتی، جس کی وہ عادی ہوچکی ہے، اس کے برعکس چوہا، نجاست اور گندگی میں رہنے کا عادی ہے؛ لہذا وہ پھولوں کے باغ میں نہیں رہ سکتا۔ بالکل اسی طرح نیک روحیں بھی وہی ہوتی ہیں، جنھوں نے حقیقت محمد ﷺ کے پاک صاف چشمہ سے ہدایت حاصل کی ہوتی ہے، جبکہ بدکار روحیں گندگی میں ہی راحت محسوس کرتی ہیں۔

چناں چہ حضرت ابوبکرؓ اس پاک روح کی سب سے اعلی مثال ہیں۔ جب آپ نبی کریم ﷺ کے چہرۂ مبارک کی طرف دیکھتے تو محبت سے سرشار ہوکر کہتے «ہائے اللہ! کیا خوبصورتی ہے» در اصل صدیق اکبرؓ جب آنحضور ﷺ کے مبارک چہرے کی خوبصورتی ملاحظہ فرماتے تو وہ اپنے آئینہ سے نبی ﷺ کی اندرونی دنیا کا نظارہ کررہے ہوتے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے جب ایک دن فرمایا:

« مجھے ابوبکرؓ کے مال نے جو نفع پہنچایا اتنا کسی کے مال نے نہیں»۔

تو ابوبکرؓ رودئے اور پوچھا:

« یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں اور میرا مال سب آپ کا نہیں ہے؟» (ابنِ ماجہ، المقدمہ،۱۱۰)

یہ ظاہر کرتا ہے کہ در اصل ابو بکرؓ نے اپنا سب کچھ اللہ کے رسول کے لیے وقف کر رکھا تھا اور اپنے آپ کو بھی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں فنا کر رکھا تھا۔ یہ آپؓ کے عالمِ دل کا آئینہ تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کردار کی ہو بہو عکاسی کرتا ہے۔

اس کے بر عکس ابوجہل جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پکا دشمن تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک چہرے کو دیکھ کر اس کی حالت منفی انداز میں تبدیل ہو جاتی تھی؛ اسی لیے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ انور کے حسن اور برکت سے محروم رہا۔ یہ فرق اسلیے تھا کہ دونوں جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کو دیکھتے تو ''آئینۂ محمدی'' میں حقیقتاً خود کا عکس دیکھتے تھے۔

اس لیے کہ انبیاء ورسل اس صاف وشفاف آئینہ کی مانند تھے، جس میں ہر شخص اپنے باطن کو دیکھ سکتا ہے۔ کبھی کوئی آئینہ جھوٹ نہیں بولتا، تو دیکھنے والے کی سوچ کے اعتبار سے بری چیز اچھی اور اچھی چیز بری ظاہر ہوتی ہے۔ اور آئینہ دیکھنے والے کے سامنے اسی کا عکس ظاہر کرتا ہے۔

حقیقتاً جس نے بھی اسلام، قرآن کریم، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جارحیت اور تسلط کی کوشش کی، تو یقیناً دیر یا سویر وہ

انتقام الٰہی کا شکار ہوگا؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی طاقت و قدرت اور عظمت سے اسلام کی حفاظت کرتا ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ جو مسلمان اپنے دینی اصولوں کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں اور جن کے محبت رسولﷺ سے لبریز ہیں، وہ اکثر اسلام پر حملہ کرنے والے خود اپنی ذات سے بے گانے لوگوں اور ان کی زہر آلود تحریروں سے اذیت اور تکلیف محسوس کرتے ہیں، ایسے اصحاب قلم ان سانپوں کی طرح ہیں، جو تاریکی میں رہتے ہیں اور وقفہ وقفہ سے تکلیف پہنچانے اور انتقام لینے کے لیے حرکت کرتے رہتے ہیں۔

اچھی طرح سے سمجھ لینا چاہئے کہ یہ انسان پر اللہ کی مہربانی ہے کہ سچائی اورحق کی طرف اس قدرتی جھکاؤ کو ختم نہیں کیا جاسکتا جو اللہ نے انسانی فطرت میں ودیعت کررکھا ہے۔ اگرچہ ملحدین قسم قسم کے ظلم کو پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اس طرح مذہبی احساسات کی سرسبز جڑوں کی نشوونما کوروکا نہیں جاسکتا، جو کہ روح، ضمیر اور جدان میں پیوست ہوچکی ہیں۔ اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے بندے کو کوئی روک نہیں سکتا اور اس کی فطرت میں موجود اعلیٰ سعادت سے اسے محروم نہیں کیا جا سکتا؛ اس لیے

کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت نے بندے کی فطرت میں دینی ضرورت اور اپنے رب سے قرب لکھ دیا ہے، یہ اللہ کی سنت ہےاور اللہ کی سنت میں کبھی تبدیلی رونما نہیں ہوتی۔

جو غافل نور الٰہی کو بجھانے کی کوشش کرتا ہے اور حقیقت کے حوالے سے وہ اندھے پن کا شکار ہے، **مولانا رومی** نے اس شخص کی بہت خوبصورت منظر کشی کی ہے:

«جو ہماری دنیا کو روشن کرنے والے میں عیب تلاش کرتا ہے، دراصل اس کی آنکھوں میں بینائی نہیں ہے؛ لہذا اسے اپنے آپ کو اس طرح متہم کرنا اور برا بھلا کہنا چاہیے: اے وہ شخص جس کی آنکھوں میں رتوند ہے ۔»

«جب اللہ کسی کی پردہ دری کرنا چاہے اور اس کے عیبوں کو کھولنا چاہے چاہے تو اس کے دل میں نیک لوگوں کے لیے مذمت کرنا اور ان کا مذاق اڑانا ڈال دیتا ہے۔»

انسانیت پر واجب ہے کہ اس فکر میں رہے کہ وہ کیسے نبی ﷺ کے ساتھ بد سلوکی کے عمل کو تبدیل کرکے آپ ﷺ کا شکریہ ادا کرے۔ اس لیے کہ پیدائش سے لے کر وفات تک انسانوں کی ہدایت کے لیے نبی ﷺ کی جانب سے کی گئی کوشش

وخواہش کے تئیں، جو دل آپ ﷺ کا شکر ادا کرنے کے احساسات سے عاری ہے، وہ دل، دل ہی نہیں ہے۔

اسی لیے کہ نبی ﷺ کی ہم مسلمانوں سے محبت والدین کی اپنے اولاد کے ساتھ محبت سے بڑھ کر اور اعلیٰ درجہ کی تھی ۔اس سلسلہ میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

«مجھے اللہ کی راہ میں اتنا ڈرایا گیا کہ اس طرح کسی کو نہیں ڈرایا گیا اور اتنی تکلیفیں پہنچائی گئیں کہ کسی نہیں پہنچائی گئیں، مجھ پر مسلسل تیس دن اور رات گذرجاتے، لیکن میرے اور بلالؓ کے لیے اتنا بھی کھانا نہیں ہوتا تھا، جسے کوئی جاندار کھائے، سوائے تھوڑی سی چیز کے جو بلالؓ اپنی بغل میں چھپا لیتے تھے۔» (ترمذی، باب القیامہ، ۳۴/۲۴۸۰)

لیکن آپ ﷺ کے وجدان اور دل نے کبھی اس کی شکایت یا حسرت نہیں کی؛ ہاں امت کو پیش آنے والی تکلیفوں اور بے چینیوں پر آپ ﷺ کا قلب مبارک جلتا تھا۔ آپ ﷺ ایسے رسول ہیں جن کا قلب مبارک ہمارے لیے رحمت اور شفقت سے اس درجہ لبریز ہے کہ اس دنیا میں بھی ہماری نجات کے لیے انتھک کوشش کرتے ہیں، جیساکہ میدان حشر میں اللہ تعالی کے عرش کے نیچے

سجدہ ریز ہو جائیں گے اور ہمارے لیے دعا اور شفاعت فرمائیں گے اور جب تک آپ ﷺ کی دعا اور شفاعت قبول نہیں ہو جائے گی، سجدہ سے سر مبارک نہیں اٹھائیں گے۔ 57

اس رسول ﷺ کے لیے جس نے ہماری نجات کے لیے بے پناہ کوشش کی اور بہت سی تکلیفیں سہیں، تو کیا ہمارا فرض نہیں بنتا کہ ہم نبی کے تہہ دل سے شکر گزار ہوں اور ان کی مدح و تعریف کریں اور ان کی بتائی ہوئی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں، اور ایسے مومن بنیں جن سے اللہ کے رسول ﷺ راضی ہوں؛ ہم میں سے ہر ایک انسان کے پاس آپ ﷺ سے عشق و محبت کرنے والا اور اپنی جان سے بھی زیادہ آپ ﷺ کی عزت و توقیر کرنے والا دل ہو۔

جن کا دل دنیا وآخرت میں ہماری شفاعت کے لیے بے چین رہا، تو ہم وہ مؤمن کیوں نہ بنیں جیسا کہ نبی ﷺ نے ہمارے بارے میں سوچا تھا؟! ہم میں سے ہر کوئی آپ ﷺ کا عاشق صادق کیوں نہ بنے؟! آپ ﷺ کی ذات ہمارے لیے ہماری جان سے زیادہ عزیز کیوں نہ ہو؟!

---

57 بخاری، انبیاء، ۳، ۹؛ مسلم، ایمان، ۳۲۷؛ ترمذی، القیامہ، ۱۰۔

عاشق اپنے معشوق کا فرمانبردار ہوتا ہے

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«قیامت کے دن انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔» (بخاری، الادب، ۹۶)

تو ہم نبی ﷺ سے کتنی محبت کرتے ہیں؟

فطری طور پر ہمیں محبت کو سمجھنا اور اس میں زندگی بسر کرنا چاہیے؛ کیوں کہ حبیب و محبوب کے درمیان رابطہ اور وابستگی کو محبت کہتے ہیں، حقیقی معیت فزکس اور سائنس کے اس اصول کی طرح ہے، جس میں شیشے کی کئی بوتلیں ایک دوسرے سے مربوط رہتی ہیں اور جس کا کام بوتلوں میں مشترک چیزوں کے ظہور اور احوال کے انتقال میں یک رنگی اور مساوات کو پیدا کرنا ہے؛ چنانچہ محبت کرنے والا شخص بھی اپنے محبوب کے ساتھ قول، معنی، جوہر، اعمال، کردار، احساس، فکر، زندگی اور حیات میں بالکل مربوط رہتا ہے۔

یعنی محبت میں اگر ان بوتلوں کی طرح اتحاد نہ ہو اور حبیب اور محبوب میں سے ہر ایک دوسرے کی راہ کے خلاف چلے تو ایسا شخص کسی بھی وقت اپنے محبوب کے ساتھ ہرگز مربوط نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ اس نے حقیقی معنی میں محبت ہی نہیں کی۔

اس طریقہ پر ہم یہ سوچیں کہ ہم اپنے نبی سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ ہم آپ ﷺ کی سنت پر کتنا عمل کرتے ہیں اور آپ کی سیرت کو ہم اپنے بچوں اور ارد گرد کے لوگوں کے سامنے کتنا بیان کرتے ہیں۔ ہمارا قرآنِ کریم اور اہلِ بیت کے ساتھ کیسا تعلق ہے؟ اور قرآن کریم اور سنت مطہرہ کی روحاینت سے لبریز اہل بیت کے گھروں سے ہمارے گھر میں اس روحانیت کا کتنا حصہ ہے؟

رسول ﷺ کی اتباع کے لیے قلبی تربیت ومشق کی ضرورت

اس بے چین دنیا اور عظیم میدان حشر میں اپنی سعادت کے لیے ہمیں زندگی کے ہر پہلو میں نبی اکرم ﷺ کی سنت کی پیروی کرنے کی ضرورت ہے۔

ہمیں نبی ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی اپنی معاشرتی وخاندانی اور عملی زندگی میں تقلید کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ خواہ کوئی کم رتبہ ہو یا بلند رتبہ، تمام دنیا کے لیے آپ ﷺ ایک بہترین مثال ہیں۔ ہم آپ ﷺ کی سیرت کو کس طرح اپنائیں؟ کیا ہم کسی لکھے ہوئے ورق سے جان لیں گے؟ نہیں، بلکہ قلبی کیفیت کے ذریعہ ہم اس نمونہ کو سیکھ سکتے ہیں اور اس میں غور وخوض کر سکتے ہیں۔

سیکھنے کے اسی اسلوب کو اللہ تعالی نے قرآن کریم میں واضح فرمایا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (الاحزاب:۲۱)

«یقینا نبی کی ذات میں تمہارے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔ ان کے لیے جو اللہ اور روز آخرت کی امید رکھتے ہیں، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے ہیں۔»

اس تعلیم وتربیت کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ اللہ کی ذات اور اس سے ملاقات کی سچی تمنی ہو اور اس کا ادراک بھی ضروری ہے کہ ہم عالم فانی ہیں اور ہمیں اس کی حدوں سے آگے (یعنی آخرت میں) جانا ہے۔

مولانا رومیؒ اس مضمون کو خوبصورت انداز میں لکھتے ہیں:

«دنیا کی زندگی صرف ایک خواب ہے۔ اور یہاں پر دولت مند ہونا بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ خواب میں کسی خزانے کا مالک بن جانا، چنانچہ دنیا کا مال یہیں رہ جائے گا اور ایک نسل سے دوسری نسل کی طرف منتقل ہوتا رہے گا۔»

اس اعتبار سے یہ ضروری ہے ہم اپنے آپ کو خبردار کرتے رہیں کہ ہم دارِ امتحان میں ہیں۔ اور اپنے دلوں کو عالمِ ملکوت میں جانے کے قابل بنائیں اور اپنے نفس کو خواہشات و شہوات سے دور رکھے۔

نفسانی خواہشات سے اجتناب ہی عالمؔ ملکوت میں دائمی رفعت عطا کرتی ہے۔

اگر ہم نے ایسی حالت اختیار کرلی تو ہمارے لیے آخرت کا میدان ملاقات کا مقام بن جائے گا۔ اس تعلیم کے لیے بس شرط یہ ہے کہ ہم اسوۂ رسول ﷺ کو اختیار کریں۔

تب اللہ ہم سے جنت کا وعدہ کرتا ہے اور واضح کرتا ہے کہ وہ اپنے رخ انور کے دیدار کی نعمت سے نوازے گا۔

اس تعلیم کے حصول کی تیسری شرط اللہ کا کثرت سے ذکر کرنا ہے۔ اور ہمیشہ حضور قلب کے ساتھ اللہ کی معیت کی طرف متوجہ رہے۔ تو اس معیت کی مقدار کیا ہوگی؟

اس کا جواب اس آیتِ کریمہ میں موجود ہے:

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلٰى جُنُوبِهِم وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (آل عمران، ۱۹۱)

جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے اور آسمان و زمین کی پیدائش میں غور کرتے اور کہتے ہیں کہ اے پروردگار تو نے اس کائنات کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا۔ تو پاک ہے۔ تو قیامت کے دن ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ (آل عمران: ۱۹۱)

دائمی معیت یہ ہے کہ ہم اس احساس کے ساتھ زندگی گذاریں کہ ہم اللہ کی نگاہوں کے سامنے ہیں، جو ہر وقت دائمی صورت میں ہماری نگرانی کررہا ہے اور اللہ ہم سے شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ تو اللہ ہم سے کتنا قریب ہے؟ اور یہ بات تو ثابت ہے کہ یہ قرب نبی ﷺ کی سیرت کی پیروی ہی سے ممکن ہے۔

نبی ﷺ کی قدر ومنزلت کا ادارک اور ہم

رسول اللہ ﷺ کے شرف اور عظمت کی اہمیت کو سیکھے اور سمجھے بغیر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں آپ ﷺ کی قدر و منزلت کو اور

آپ کو عطا کئے گئے شرف و تکریم کو واضح کردیا ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (الاحزاب:۵۶)

«بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر رحمت بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم (بھی) ان پر درود بھیجو اور خوب سلام (بھی) بھیجتے رہا کرو۔»

اللہ تعالیٰ خود بھی رسول اللہ ﷺ پر اپنی رحمتیں بھیجتے ہیں اور اس کے فرشتے بھی۔ اللہ کی اپنے رسول پر رحمت کی کیفیت اور حقیقت کا ادراک کرنا شاید ہمارے دل، ضمیر، حواس اور سمجھ کے لیے ناممکن ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں اس پر کیسے بھیج سکتا ہے، جسے اس نے خود تخلیق کیا ہے؟

اس سوال کے کئی ایک جواب دیے گئے ہیں؛ تاہم یہ حقیقت میں **«ربانی معمہ اور راز»** ہے۔ لیکن ایک بات تو یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے حبیب ﷺ سے غیر معمولی محبت ہے، اللہ تعالی کا ہم سے بھی مطالبہ ہے کہ ہم محبت الٰہی کا ادراک کریں اور اس

کو محسوس کریں؛ یہی وجہ ہے کہ اللہ پاک ہمیں بھی یہ حکم دیتے ہوئے آگاہ کرنا چاہتا ہے:

«اے ایمان والو! تم (بھی) ان پردرود بھیجو اور خوب سلام (بھی)»

لیکن یہ درود وسلام نہ صرف زبان سے ہو بلکہ ہمارے تمام احوال بھی آپ ﷺ پر درود وسلام ہونے چاہیے۔ چنانچہ ضروری ہے کہ ہمارے تمام معاشرتی اور عملی معاملات، رویے اور انسانوں کے ساتھ ہمارا سلوک اس انداز سے ہو، جو آپ ﷺ پر درود وسلام بھیجنے کے لائق اور مناسب ہو۔

ہمارے لیے بے انتہا ضروری ہے کہ ہم ہمیشہ اس فکر میں رہیں کہ لوگوں کے ساتھ میرے معاملات، میری تجارت، گھریلو زندگی میں میرے اعمال کو دیکھ کر کیا رسول اللہ ﷺ تبسم فرمائیں گے؟ میری اولاد کی تربیت دیکھ کر کیا رسول اللہ ﷺ تبسم فرمائیں گے؟ اور کیا میری عبادت والی زندگی دیکھ کر رسول اللہ ﷺ تبسم فرمائیں گے؟

آج اگر ہم خود اپنے آپ سے یہ سوالات نہ کریں، اپنے دلوں اور نفس کا محاسبہ نہ کریں، حق کی میزان میں انہیں نہ تولیں، تو

کل میدان حشر میں اس سے زیادہ خوفناک اور دہشت ناک حساب وکتاب ہوگا۔

بالیقین قیامت کے دن ہمارے حساب وکتاب کا آغاز کچھ اس طرح ہوگا:

اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا (الاسراء:۱۴)

«لے! خود ہی اپنی کتاب پڑھ لے، آج تو تو خود ہی اپنا حساب لینے کو کافی ہے»۔

تب ہم اپنے نامہ اعمال میں اپنے تمام پوشیدہ اورخفیہ حالات کو دیکھ لیں گے، ہماری زندگی ہمارے سامنے سینیما ہال میں فلم کی طرح چل رہی ہوگی، ہم کیسے نماز پڑھتے تھے، کیسے روزے رکھتے تھے؟ کیا ہم عبادتیں صرف ظاہری طور پر کرتے تھے یا اپنے دل اور جان سے انہیں ادا کرتے تھے؟ اللہ کی بے شمار نعمتوں کے شکریہ میں ہم نے کتنا عمل کیا؟ ہم نے کتنی اپنی جان، مال، عقل، مملوکہ چیزیں اور ذہانت کا استعمال کیا؟ اور انہیں ہم نے کتنا ضائع کیا؟ ہم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کتنی محبت کرتے ہیں، نیز ہم اللہ کے احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کو کتنی مضبوطی سے تھامتے ہیں؟

یہ تمام چیزیں ہمارے نامہ اعمال میں ہمارے سامنے ہوں گی، اور قیامت کی نمائش گاہ میں یہ تمام چیزیں ہم مشاہدہ کریں گے؛ اسی حوالے سے آیت کریمہ کہتی ہے:

حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (فصلت/۲۰)

«یہاں تک کہ جب وہ بالکل جہنم کی پاس آجائیں گے ان پر ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔»

ہمیں ہمیشہ اپنا تنقیدی جائزہ لینا چاہئے اور اپنا محاسبہ کرنا چاہئے اور ہر وقت ہمیں یہ سوچنا چاہیے:

ہماری آنکھیں کل قیامت کے دن کیا دیکھیں گی؟

وحی الٰھی اور سنتِ رسول ﷺ کو ہمارے کان کتنا سنتے ہیں؟

حق کے راستے میں ہم نے اپنے جسم اور قوت کا کتنا استعمال کیا؟

حاصل یہ کہ بنیادی مسئلہ یہ ہے: ہمارے ہاتھ سے موقع نکلنے سے پہلے ہمیں اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے، اپنے حالات کا تصور کرتے ہوئے لازمی تدابیر اختیار کرنی چاہئے۔

احترام اور محبت کی آزمائش

تمام انسان آزمائش اور امتحان کی دنیا میں ہیں، یعنی یہ دنیا امتحانِ الٰہی کی جگہ ہے۔ ان امتحانات میں سے ایک اہم امتحان سرور کونین ﷺ کی محبت، تابعداری اور احترام ہے اور اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ (محمد:٣٣)

«اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کا کہا مانو اور اپنے اعمال غارت نہ کرو۔»

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (الحجرات:٢-٤)

«اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز سے اونچی نہ کرو، اور نہ ان سے اونچی آواز سے بات کرو، جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں (ایسا نہ ہو کہ) تمہارے اعمال اکارت جائیں اور تمہیں اس کی خبر بھی نہ ہو، بے شک جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے حضور میں اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پرہیزگاری کے لیے جانچ لیا ہے۔ ان کے لیے مغفرت ہے اور بڑا ثواب ہے۔ جولوگ آپ کو حجروں کی پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر (بالکل) بے عقل ہیں۔»

رسول اللہ ﷺ کے لیے ہماری محبت اور تعلق اور آپ ﷺ کی سنت پر ثابت قدم رہنا، ہمارے دلوں کے تقویٰ کا امتحان ہے، اور ہمارے عشق ومحبت کی صحیح کیفیت معلوم کرنے کا ذریعہ ہے نیز اللہ تعالیٰ سے مزید قریب ہونے کا ذریعہ بھی ہے۔

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے صرف احمق اور بے عقل لوگ ہی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سختی کا معاملہ کر سکتے ہیں، وہی دور سے آپ ﷺ کو بلند اور اونچی آواز سے پکار سکتے ہیں اور ایسے ہی لوگ بے ادبی اور بے توقیری کا معاملہ آپ ﷺ کے ساتھ کر سکتے ہیں۔

اس بات کا لحاظ کرتے ہوئے ایک اور نتیجہ جو ہم یہاں سے اخذ کرسکتے ہیں وہ یہ ہے کہ کیسے ہمیں رسول اللہ ﷺ کو نمونہ بنانا چاہیئے اور رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کے ساتھ اپنی زندگی کا موازنہ کرنا ہمارے لیے کتنا ضروری ہے، اس حوالے سے قرآن کریم میں ہمارے لیے واضح ارشاد موجود ہے:

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا (النساء:۸۰)

«جس نے رسول کی فرمانبرداری کی، بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے رو گردانی کی تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بناکر۔»

آپ ﷺ سے محبت کا پیمانہ

بہت سے اہم واقعات سے ہمیں رسول اللہ ﷺ سے واجبی محبت کا معیار معلوم ہوتا ہے؛ چنانچہ جلیل القدر صحابی حضرت عبد اللہ ابن ہشامؓ سے مروی ہے:

«ہم ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور نبی کریم ﷺ حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے کہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا:

«یا رسول اللہ! آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں سوائے میری جان کے۔» یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«نہیں! اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی شخص ہرگز مؤمن نہیں ہوسکتا، جب تک میں اس کو اس کی جان سے زیادہ عزیز نہ ہوجاؤں۔» تو حضرت عمرؓ نے فوراً عرض کیا: اللہ کی قسم! «اب آپ ﷺ مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔» پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **« اے عمر اب (تمہارا ایمان مکمل ہوا)»** (بخاری، ایمان،۳)

حضرت عمرؓ کے عشق کی طرح ہی ہمیں بھی عشق و محبت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرنا چاہیے، رسول اللہ ﷺ کو اپنے دلوں کے تخت کا بادشاہ بنانا چاہیے اور اپنی زندگی کا رہبر؛ کیوں رسول اللہ ﷺ کی محبت ہم پر فرض ہے۔58

اللہ تبارک وتعالی نے قرآن کریم میں ہمیں باخبر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی تمام ایمان والوں کے لیے اپنی ذات سے بھی زیادہ محبوب اور عزیز ہونی چاہیے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ (الاحزاب:٦)

58 دیکھیں: سورۃ التوبۃ: ۲۴۔

«رسول اللہ ﷺ مؤمنوں سے ان کی جانون سے بھی زیادہ قریب ہیں۔»

اسی ضمن میں آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، کہ ایمان حقیقی کے لیے رسول اللہ ﷺ کی محبت شرط ہے، چنانچہ آپ ﷺ کا مبارک ارشاد ہے:

«تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ میں اس کو اس کے باپ، اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں۔»

اسی لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین رسول ﷺ کی چھوٹے سے چھوٹے حکم پر لبیک کہتے تھے اور اپنے دلوں میں لبریز عشق کے ساتھ آپ ﷺ کو خطاب کرتے تھے:

«یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ، میری زندگی اورجو کچھ بھی میرے پاس ہے سب آپ پر قربان ہے۔»

اس محبت کے مقابلہ لا پرواہی اور بے ادبی درحقیقت جہالت کی دلیل ہے، اور اس محبت کو مضبوطی سے تھامنا اور اسے اختیار کرنا نجات اور چھٹکارے کی ضمانت ہے۔

حضور ﷺ سے محبت کی علامت

انسان اپنے محبوب کی باتیں خوب بیان کرتا ہے، ہر موقع پر اس کی گفتگو چھیڑ دیتا ہے اور اپنے محبوب کے ارد گرد جاری رہنے والے موضوعات کو بیان کرتا ہے۔

چنانچہ ایک تاجر ہمیشہ اپنی مصروفیت کے دوران تجارت اور لین دین کا تذکرہ کرتا رہتا ہے کہ اس نے کیا کمایا اور کیا کھویا وغیرہ۔ اس میں کتنا فائدہ ہے اور اس میں کیا فائدہ ہے وغیرہ وغیرہ، جو حضرات اپنے بچوں سے بے پناہ محبت کرتے ہیں، وہ ہر جگہ اپنے بچوں کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔

لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین اور اولیاء اللہؒ بہت کثرت سے اپنے اس رسول ﷺ کی باتیں کرتے، جن سے ان کو عشق تھا اور جن کی محبت میں وہ گرفتار تھے اور انہیں نبی ﷺ کی باتوں میں ناقابل بیان لطف محسوس ہوتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی اسی معرفت، اتباع اور شوق سے بھرپور محبت کے سبب آخرت میں ہم رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کر سکیں گے۔

یا اللہ! قریب سے آپ ﷺ کی معرفت کی بھرپور نعمت ہمیں عطا فرما اور آپ ﷺ کی محبت کی نعمت بھی ہمیں عطا فرما۔ آمین!

انسان کا اپنے محبوب کے رنگ میں رنگ جانا اور ہمیشہ اس کی راہ پر چلنے کی کوشش کرنا، یہ محبت کے ان مخفی رازوں میں سے ایک ہے، جو اس عالم کے وجود کا سبب ہے، نیز محبت کرنے والا خواہ کتنا ہی کمزور اور بے صلاحیت کیوں نہ ہو، لیکن وہ اپنے محبوب کے بلندئ رتبہ کے اعتبار سے کچھ نہ کچھ حصہ ضرور حاصل کرتا ہے۔

آپ ﷺ کی شایانِ شان توصیف و تعریف انتہائی مشکل

ایک چھوٹی سی فوج کی کمان کرتے ہوئے، خالد بن ولیدؓ ایک مسلمان قبیلے کے پاس رکے۔ قبیلے کے سرادر نے خالد بن ولیدؓ سے رحمت عالم ﷺ کی ذات اقدس کی توصیف بیان کرنے کو کہا۔ خالدؓ نے جواب دیا:

«اللہ کے رسول ﷺ کی تفصیلی خصوصیات بیان کرنا میری طاقت سے باہر ہے۔»

سردار نے کہا: «اختصار کے ساتھ بیان فرما دیں»۔

اس پر خالدؓ نے یہ جواب دیا:

«اَلرَّسُولُ عَلَی قَدرِ المُرسِلِ»[59]

«مرسل یعنی اللہ تعالیٰ کی قدر ومنزلت سے رسول ﷺ کی قدر ومنزلت پہچانی جاسکتی ہے۔»

جب بھیجنے والا دنیا و جہاں کا رب اور پوری کائنات کا مالک ہے تو آپ رسول اللہ ﷺ کی عزت و وقار کا تصور کرسکتے ہیں۔

(مناوی، ۶۴۷۸/۵، ۹۲: قسطلانی، المواہب اللہ نیہ (ترجمہ)، استنبول،۱۹۸۴،۴۱۷)

یا اللہ! رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عشق سے ہمیں ہمارا حصہ عطا فرما، اور یہ توفیق عنایت کر کے ہم پر انعام فرما کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی محبت سے اپنی زندگی کو آراستہ کریں۔ آمین!

---

59 المناوی، فتح القدیر، ج، ۵، ۶۴۷۸/۹۲: القسطلانی، ترجمہ المواھب اللدنتیہ، استنبول، ۱۹۸۴م، ص، ۴۱۷۔

حرف آخر

سرکارِ دوعالم ﷺ کی شفاعت حاصل کرنے کے لیے، ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم آپ ﷺ کی پیروی کریں اور اپنی زندگیوں کا موازنہ آپ ﷺ کے قائم کردہ مذکورہ بالا اصولوں کے مطابق کریں۔ نئے سرے سے محاسبہ کریں کہ ہم اس حوالے سے کہاں تک پہنچے ہیں، رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں ہم نے کہاں توقف کیا ہے اور اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ سنجیدگی اور جذبہ کے ساتھ غور وفکر کے ماحول میں داخل ہوں۔

نیز ضروری ہے کہ ہم اندرونی سعادت اور جذبہ میں اتنی محنت اور مشقت کریں کہ ہماری زندگی رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے لائق ہوجائے، ہماری عبادت، اعمال، کردار، احساس وافکار، شب روز؛ مختصراً یہ کہ ہماری دنیا اور آخرت پر رسول اللہ ﷺ کے جمال اور آپ ﷺ کی شخصیت کی گہرائی کا عکس ہو؛ کیوں کہ انسان اپنے محبوب کی محبت میں گرفتار ہوتا ہے اور محبت کے بقدر اس کی اتباع کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی شایان شان تقلید اور اتباع کے لیے

ضروری ہے کہ ہم تمام پہلوؤں کے اعتبار سے آپ ﷺ کی حقیقی معرفت حاصل کریں اور آپ ﷺ کی شایان شان آپ ﷺ کی مثالی شخصیت کی تعظیم کریں۔

کیوں کہ کوئی بھی زمین، کتنی ہی زرخیز کیوں نہ ہو، بارش اور موسم بہار کی ہواؤں کے بغیر اس میں ہریالی نہیں آسکتی، پوری انسانیت کے لیے بہترین نمونہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی اور اتباع کے ذریعہ زرخیز زمین کی طرح کسی بھی دل کو پھل دار دل میں تبدیل کر سکتے ہیں۔

آنحضور ﷺ اپنے سے پہلے اور بعد میں آنے والوں میں سب سے بلند مرتبہ ہیں اور مکارم اخلاق اور فضائل کے کبھی نہ خشک ہونے والا ایک سرچشمہ اور دنیا میں ساری نعمتوں اور رحمتوں کا سبب ہیں۔ قرآن حکیم جو ابدی صداقتوں سے لبریز ہے اور ایمان وعقیدہ کے عالم کی ہدایت کے طور پر آپ پر نازل کیا گیا اور آپ ﷺ ہی کے ذریعے ہمارے ایمان کی حدود میں داخل ہونے کا ذریعہ بنا۔

مذکورہ بالا تمام باتوں سے یہ جامع نتیجہ مستنبط ہوتا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ یا آپ ﷺ کی چھوٹی سے چھوٹی نصیحتوں

کے ساتھ جتنے بھی احترام کا مظاہرہ کریں؛ لیکن آپ ﷺ کا حق نہیں ادا ہو سکتا؛ کیوں ہمارے رسول ﷺ کی عظمت شان اس بات کی مستحق ہے کہ خود حق تعالی آپ ﷺ کو ''اے میرے حبیب'' کہہ کر مخاطب فرمائیں؛ لہذا ہم اپنے محدود اور کوتاہ الفاظ کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی فضیلت اور آپ ﷺ کے کمال تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے، نہ ہی رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کا احاطہ کر سکتے ہیں، اور نہ ہی اس رسول ﷺ کی حقیقت کا ادراک کر سکتے ہیں، جن پر خود خالق کائنات اور اس کے فرشتے بے شمار رحمتیں بھیجتے ہیں۔

آپ ﷺ کے بلندیٔ رتبہ کا اعلان اور اعتراف ایسا موضوع ہے، جو آپ ﷺ کی عظمت شان کا اقرار اور اعتقاد کیے بغیر ممکن نہیں اور اس حوالے سے ضروری ہے کہ ہم مکمل خاموشی اختیار کریں، اس لیے کہ زبانیں اس کی منظر کشی سے بالکل عاجز اور بے بس ہیں، کیوں کہ ہم اپنی زبان سے جو بھی بیان کریں گے، اس کی حیثیت سمندر کے ایک قطرہ سے زیادہ نہیں ہوگی اورآپ ﷺ کی ذات مبارک شبنم کے ان قطروں کی طرح ہے، جن کا ہماری فہم اور ادراک پر چھڑکاؤ ہوتا ہے۔

خالص رسول اللہ ﷺ کے لیے محبت اور عشق ہونا ایمان والوں کے لیے عظیم سعادت ہے، ایمان والے وحشت ناک زمینی باغیچوں کے نقلی پھولوں سے دھوکہ نہیں کھاتے۔

ہمیں چاہیے کہ اپنے رب کی طرف لوٹ کر اپنے ہر ذرہ میں رسول اللہ ﷺ کی روحانیت میں سانس لیں اور دل کی دھڑکنوں کے ساتھ دعا کریں......

نبی ﷺ کی محبت کے وسیلہ سے اپنے رب کے سامنے گریہ وزاری کریں......

لہذا دونوں جہاں کے سردار محمد مصطفیٰ ﷺ پر درود وسلام

جنات وانسان کے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ پر درود وسلام

امام الحرمین محمد مصطفیٰ ﷺ پر درود وسلام

حسنین کے نانا جان محمد مصطفیٰ ﷺ پر درود وسلام

اے اللہ! درود وسلام اور برکتیں نازل فرما محمد، آپ کی آل اور اصحاب پر۔

اے اللہ! ہمیں ان حضرات میں سے بنا جو اپنے رہبر ﷺ، اپنی ابدی سعادت یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہیں اور آپ ﷺ کی مثالی ممتاز منفرد اور انوکھی شخصیت کے بہترین

نمونہ سے ہمیں ہمارا ایسا حصہ عطا فرما، جو آپ کی رضا مندی کا باعث ہو۔

ہماری دنیا اور آخرت کو ایسی بلندی عطا فرما کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے جمال سے فیض یاب ہو سکیں۔

رسول اللہ ﷺ کی وسیع روحانیت عمدہ اور بیش بہا قطرات کے ذریعہ ہم پر انعام فرما۔

ہمارے دلوں کو اللہ اور اس کی رسول ﷺ کی محبت کے لیے دائمی ٹھکانا بنا۔

یا اللہ! نبی پاک ﷺ کی شفاعت عظمیٰ ہمیں عطا فرما....

آمین!

آپ ﷺ کا امتی ہونا ہمارے لیے باعث شرف عظیم

تمام جمال اور خوبصورتی؛ چاہے وہ جہاں بھی ہو، نبی ﷺ کا پرتو اور عکس ہے۔

آپ ﷺ کے نور جمال سے استفادہ کیے بغیر دنیا کا کوئی پھول نہیں کھل سکتا۔

ہمارا وجود اور تخلیق بھی آپ ﷺ کے وجود مسعود کا صدقہ ہے۔

آپ ﷺ کی ذات گرامی اس ترو تازہ اور کھلے ہوئے گلاب کی طرح ہے، جو کبھی مرجھاتا نہیں؛ بلکہ گزرتے دنوں کے ساتھ اس کی تازگی اور رونق میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ بلا شبہ نبی ﷺ سراپا نور ہیں۔

عقل کی بنسبت عشق اور محبت کے ذریعہ حقیقت محمدیہ سے قریب ہونا زیادہ ممکن ہے؛ کیوں کہ محبت عملی، قلبی اور تسلیمی ہوتی ہے۔

ہمارے لیے حقیقت محمدیہ کا احاطہ اسی طرح ناممکن ہے، جیسے چھوٹے بچوں کے لیے ماوراء الطبیعیات پیش آمدہ چیزوں کا احاطہ۔ کیوں کہ نبی ﷺ کی ذات گرامی میں اللہ تعالی نے "انسان کامل" کا نمونہ پیش فرمایا ہے؛ چنانچہ اللہ پاک نے آپ ﷺ کو تمام انسانیت میں بے مثال اور ممتاز شخصیت کا مالک بنایا ہے۔

پوری انسانی تاریخ میں تمام تر باریکیوں کے ساتھ جس کی زندگی کی مکمل تفصیلات ریکارڈ کی گئی ہیں؛ وہ فرد فرید ہمارے سردار نبی ﷺ کی ذات گرامی ہے؛ چنانچہ اسلامی ثقافت وتہذیب میں جتنی کتابیں لکھی گئیں، وہ سب کی سب کتاب واحد (قرآن) اور فردِ واحد ﷺ کی تشریح کرتی ہیں۔

فخر کائنات ﷺ کی حیاتِ مبارکہ سے جنت کے رنگ برنگ کے خوبصورت ترین اور انوکھے انداز کے پھولوں اور باغات کی یاد تازہ ہوتی ہے؛ یہاں تک کہ جو لوگ پھولوں کی تلاش میں رہتے ہیں، وہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے باغ میں خوبصورت ترین گلاب حاصل کر سکتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

گنہگار انسانوں اور جناتوں کے علاوہ آسمان وزمین کے درمیان کی ہر چیز اس بات کا یقین رکھتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

(احمد، 3، 310)

یقیناً احد پہاڑ بھی آپ ﷺ کو جانتا تھا اور کھجور کا وہ تنا بھی، جو آپ ﷺ کے اشتیاق میں رو پڑا تھا؛ حتی کہ جانور آپ ﷺ کے پاس آکر پناہ حاصل کرتے تھے اور آپ ﷺ کو اپنا شریکِ درد بناتے تھے...... پر افسوس ابو جہل اور اس جیسے لوگ نہ کل آپ ﷺ کو پہچان سکے اور آپ ﷺ کے بلندی رتبہ کا ادراک کر سکے اور نہ آج۔

ہمارے نبی ﷺ کی حیات اور سیرت پاک اس صاف وشفاف آئینہ کی طرح ہے، جس سے انسان اپنی روحانی حالت، معاملات، اقوال وافعال اور اخلاق وآداب کو دیکھ سکتا ہے اور اسی آئینہ سے وہ اپنی کیفیت اور مقام ومرتبہ کا اندازہ لگا سکتا ہے اور اس کا ادراک کرسکتا ہے۔

جو لوگ وحی الٰہی اور رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کی مخالفت کرتے ہیں اور ایمان والوں پر ظلم کرتے ہیں، وہ ضرور بالضرور ایسے عذاب الٰہی کے شکار ہوں گے، جس سے ان کے لیے کوئی راہ فرار نہ ہوگی، اللہ تعالیٰ کا یہی قانون ہے، جس میں کبھی کوئی تبدیلی اور تغیر نہیں ہوتا۔

محبت الٰہی کے سمندر تک لے جانے والا رحمت ومحبت کا تنہا سرچشمہ ہمارے نبی محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے۔

کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت کی مٹی کے بغیر محبت کا کوئی بیج نہ اُگ سکتا ہے اور نہ ہی ہرا بھرا ہوسکتا ہے؛ لہٰذا مومن کے قلب اور روح کے لیے آپ ﷺ کی ذات گرامی الٰہی فیضان کا سرچشمہ ہے؛ اس لیے کہ بہت سے سخت اور پتھر دلوں کو رسول الل ہﷺ کی محبت کی مٹی نے چمکتا دمکتا اور صاف وشفاف موتی بنادیا۔

جب دنیا جاہلیت کی گھٹا ٹوپ تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی، اس وقت تمام انسانیت تک ابدی کامیابی اور نجات کی دعوت و تبلیغ میں رسول اللہ ﷺ نے جو بے پناہ جدوجہد کی ہے، ہمیں ان کو فراموش نہیں کرنا چاہیے؛ لہذا رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے حوالے سے ہمیں بھی اپنے موقف اور اپنی حالت کو واضح کرنا چاہیے اور ہمیں اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کی ان عظیم کوششوں کے بدلے آج ہم کیا کر رہے ہیں۔

وہ ایمان والے کتنے خوش نصیب، سعادت مند اور کامیاب ہیں، جنہیں رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے معزز صحابہ کی محبت سے حصہ ملا اور انہوں نے اپنے ایمان کو وجدانی کیفیت اور اپنے قلوب کو قرآنی روحانیت، اس کی غیر معمولی اثر انگیزی، اپنی روح کو خدمت اور عمل کی توفیق وسعادت اور اپنے اندرون کو اخلاق کی صفائی اور خوبصورتی کے ساتھ مزین کیا، جو ابدی سعادت کی توفیق کے ساتھ خوش گوار زندگی گزار رہے ہیں۔

اے ہمارے پروردگار! ہمیں نبی ﷺ کے ان محبین اور عشاق میں سے بنا، جو اسلامی زندگی گزارتے ہیں، اسلام کو اپنی زندگی کا روشن چراغ بناتے ہیں، جو قرآن کے سانچے میں اپنے آپ کوڈھالتے ہیں اور قرآن کریم کو اپنی زندگی کے تمام گوشوں میں نافذ کرتے ہیں!

یا اللہ! اپنی اور اپنے رسول کی محبت کو ہمارے لیے ابدی سعادت کی پونجی بنا۔ آمین!

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....